2609

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ
اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ
الۡبَصِیۡرُ ○ وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا
تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ○ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ○

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا * پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو
راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی
کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے * اور ہم نے
موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کیا کہ میرے سوا کسی
کو کارساز نہ ٹھہراؤ * اے ان کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا
بے شک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ * ۳ تا ۱ / ۱۷ (سورۃ بنی اسرائیل)

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع، جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

۱۔ اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ (دعوت توحید کے پہلے روز سے لے کر طائف سے واپسی تک جن حالات کا سامنا رہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صبر، استقامت، توکل و استقلال کا اظہار کیا وہ رحمۃ للعلمین، رسول انسانیت اور خاتم النبین کے منصب جلیلہ کے شایان شان اور آپ کی عظمت و رفعت کا نشان تھا) رحمت الٰہی نے اپنی "قدرت" و کبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کروانے کے لئے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لئے بلایا تاکہ حضور کو اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ "مختلف احادیث صحیحہ میں اس مقدس سفر کی جو تفصیلات ہیں ان کا اجمال یہ ہے"۔ حضور اکرم خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضورؐ اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے۔ سینہ مبارک کو چاک کیا گیا۔ قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے حاضر پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضورؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو بھی باندھ دیا گیا۔

حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین حضور کے منتظر تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں سب نے نماز ادا کی اس طرح "لتؤمنن بہ" کا وعدہ جو روز اول ارواح انبیاء سے لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی۔ زاں بعد موکب سماوی عالم بالا کی طرف پرکشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں ساتویں آسمان پر اپنے جد مکرم ابوالانبیاء حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے "مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح" یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ ہے جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے کہاں تک گئے اسے ما و شما کیا سمجھیں۔ زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح فرمایا ہے "ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" وہاں کیا ہوا یہ بھی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ "فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں "پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ (سیرت النبی جلد ۳) اسی مقام قرب اور گوشہ خلوت میں دیگر انعامات لطیفہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لئے التجا کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العلمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے۔ ابھی رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدہ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا (ضیاء القرآن)

۲۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب یعنی تورات عطا کی اور اس کو یعنی (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو یا تورات کو بنی اسرائیل کے لئے راہنما بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ قرار دینا، وکیل نہ بنانا یعنی میرے سوا کسی دوسرے کو رب نہ قرار دینا جس پر تم بھروسہ کرو اور تمام امور اس کے سپرد کردو (مراد یہ کہ کسی کو میرے سوا اپنا کارساز مالک و مختار نہ ماننا) (تفسیر مظہری)

۳۔ اے وہ اولاد آدم جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کی کشتی میں سوار کیا۔ بے شک نوح (علیہ السلام) تھے بندے بڑے شکر گزار یعنی اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے * حضرت نوح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ شام کو روزے کے افطار کے وقت جب آپ کی خدمت میں طعام پیش کیا جاتا تو آپ دیکھتے کہ آپ کے ساتھی اہل ایمان میں کوئی زیادہ طعام کا ضرورت مند ہے

تو آپ اپنا طعام اسے دے دیتے اور خود بھوکے رہ کر بھی شکرِ خداوندی بجا لاتے۔ (روح البیان ج ۔ت)

لغوی اشارے ✶ **سُبْحٰنَ** : پاک ہے۔ امام سیوطی اتقان میں رقم طراز ہیں: "سبحان مصدر ہے بمعنی تسبیح (یعنی پاکی بیان کرنے کے) منصوب نیز مفرد کی طرف اضافت اس کو لازم ہے خواہ مفرد اسم ظاہر ہو۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ "سبحان اللہ" کے معنی ہیں اللہ کی ذات کو ہر برائی سے پاکی بیان کرنا ▲ أسریٰ بعبدہٖ : وہ اپنے بندے کو لے گیا، إسراءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ▲ **عبدہٖ** : اس کا بندہ۔ قرآن پاک میں یہ سوائے ایک مقام کے کہ وہاں یہ حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت میں آیا ہے باقی سب جگہ "عبدِ کامل" جناب حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال ہوا ہے اور اسی لئے کلمہ شہادت میں آپ کی صفتِ رسالت کے اقرار کے ساتھ آپ کے لئے عبدیت کی شہادت بھی لازمی کر دی گئی ہے ▲ **لَیْلًا** : رات ▲ **مَسْجِد** : ظرفِ مکان مفرد، مساجد جمع سجدہ کرنے کی جگہ، مسلمانوں کا نماز گھر ▲ **حَوْلَہٗ** : اس کے گرد اس کے آس پاس، حول مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ **لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا** ۔ تاکہ ہم اس کو (اپنی) آیات دکھائیں۔ یہ اسراء کی غایت ہے اس میں اشارہ ہے کہ اسراء کی ایک حکمت یہ بھی تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتی اور مخصوص آیات دکھائی جائیں اور یہ وہ شرف ہے جو سوائے حضور انور ﷺ کے نہ پہلے کسی کو نصیب ہوا اور نہ بعد میں کسی کو نصیب ہو سکتا ہے (ر) لقد رأی من اٰیات ربہ الکبریٰ۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ آیاتِ کبریٰ یہ ہیں ۵ بیت اللہ سے بیت المقدس کی ایک ماہ کی مسافت کو تھوڑے سے لمحے کو طے کرنا ۵ بیت المقدس کا مشاہدہ ۵ انبیاء علیہم السلام کا متمثل ہو کر آنا ۵ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود آیاتِ کبریٰ کے متعلق اکرام ارشاد فرمایا ہے ۵ ستاروں کا دیکھنا ۵ آسمانوں کی سیر ۵ معارج علیا پر جانا ۵ رفرف ادنیٰ ۵ اقلام قضاء وقدر کی آواز سننا ۵ الواح کا مشاہدہ ۵ ان انوار کو جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں، دیکھنا ۵ ارواح ۵ علوم ۵ اعمال کے انتہائی مقام کا معائنہ ۵ قابَ قوسین کے مقام پر فائز ہونا ۵ آیات الانفس کا مشاہدہ۔ کما قال تعالیٰ : سنریہم اٰیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم ۵ او ادنیٰ کا مقام طے کرنا۔ یہ تمام آیات الانفس میں شامل ہے یہ مقام المحبۃ اور مختص بالہو ہے ۵ مقام فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ کا مشاہدہ (س م ح ش)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ
لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا
لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝
ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لئے ٹھہرا دیا تھا کہ تم زمین پر دو بارہ فساد کرو گے اور بڑی ہی سرکشی کرو گے ★ پھر جب ان میں سے اول وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیے جو بڑے لڑنے والے تھے (اور) وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا ★ پھر ہم نے تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دی اور تم کو بڑی جماعت والا بنا دیا (۱۷/۴ تا ۶ ★ ت : ج)

۴ - اور ہم نے بنی اسرائیل کے لئے فیصلہ فرمایا یعنی ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ جتلایا اور واضح کیا کتاب تورات میں کہ اے تم علاقہ شام اور بیت المقدس میں فساد پھیلاؤ گے مرتین دوبارہ اور تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے تکبر کرو گے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے سرکشی کرو گے ★ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"بے شک انسان سرکشی کرتا ہے جب دولت مند ہو جاتا ہے" (۹۶/۶، ۷) اسی فطرت پر بنی اسرائیل پر سرکشی اور بغاوت کا بھوت سوار ہوا تو انہوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ حضرت ارمیاؑ نے انہیں ہر چند سمجھایا اور خوف الٰہی یاد دلایا اور عذاب خداوندی سے ڈرایا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی پھر انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے تورات میں پڑھا ہے کہ تم لوگ دوبار فساد ڈالو گے۔ یاد رکھو ان دونوں فسادوں کا آغاز تم کر رہے ہو اگر تم اس سے باز نہ آئے تو عذاب الٰہی تمہاری بیخ کنی کر دے گا لیکن چونکہ ان پر دولت کا بھوت سوار تھا اس لئے نہ مانے ★ بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور اس کی تعظیم و تقدیس کو پامال کیا تورات کو نذر آتش کیا اور بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمیوں کو قید کیا۔ یہ بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی کا پہلا واقعہ ہے۔ پھر جب کوارشی بادشاہ کی کوششوں سے بیت المقدس دوبارہ آباد و بارونق ہو گیا تو اب پھر بنی اسرائیل نے دولت و طاقت کے نشہ میں سرکشی کرنے لگے انبیاء کے قتل کا ارتکاب کرنے لگے اللہ تعالیٰ کو ناراضگی ہوئی تو ان پر دوبارہ طیطوس رومی کو مسلط کر دیا اس نے دوبارہ بیت المقدس کو ویران کر دیا اور بنی اسرائیل کے تمام اموال و اسباب چھین لئے۔
(روح البیان ۔ ت)

۵ - پس جب آ گیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں میں سے تو ہم نے (تمہاری سرکوبی کے لئے) بھیج دیے

اپنے بندے جو بڑے گرفت (ور) سخت تھے یعنی جب سزا کا پہلا وعدہ آ پہنچا تو ہم نے مسلط کر دیے تم پر اہل نینوا سے سنحاریب اور اس کے ساتھیوں کو۔ سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں جالوت اور اس کا لشکر مراد ہے۔ وہ جالوت جس کو حضرت داؤد علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں بخت نصر بابلی مراد ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں یہی قول ظاہر ہے۔ "پس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں" وہ تمہارے شہروں کے درمیان گھس گئے وہ تمہیں تلاش کر کے قتل کرتے تھے۔ زجاج کہتے ہیں جوس کا معنی ہے پوری کوشش سے کسی چیز کو تلاش کرنا۔ فراء کہتے ہیں اس کا معنی ہے "انہوں نے تمہیں اپنے گھروں میں قتل کر دیا"۔ اور یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا" اور تمہاری سزا کا جو وعدہ ہے اس کو یقیناً پورا ہونا تھا۔ (تفسیر مظہری ۔ ت: کرمش)

۴۔ بابل کے حملے نے صرف یہودیہ کی آبادیوں ہی کو پامال نہیں کیا تھا، بلکہ بنی اسرائیل کی نسل و قومیت بھی ہلاک و منتشر ہو گئی تھی۔ لیکن ایک صدی کے بعد گردش زمانہ نے پھر پلٹا کھایا اور کارساز قدرت نے وقت کی سب سے بڑی فاتح شہنشاہیت کو ان کی اعانت و دستگیری کے لیے کھڑا کر دیا یعنی شہنشاہ فارس کو۔ اب یہودیہ کی تمام اجڑی بستیاں پھر آباد ہو گئیں اور یہودی جمعیت کا جسم مردہ پھر زندہ ہو گیا اس آیت میں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (ترجمان القرآن)

لغوی اشارے ✶ قَضَيْنَا: جمع متکلم ماضی معروف قضاء مصدر۔ وحی بھیج کر اطلاع دی۔ ہم نے قطعی فیصلے کی اطلاع دیدی تھی۔ ہم نے حکم بھیجا۔ وحی بھیجی۔ موت کا حکم دیا۔ "قضی" قضاء مصدر قضاء قول ہو یا عملی، بشری ہو یا الٰہی، بہرحال فیصلہ کر دینا یا کر لینا، کسی بات کے متعلق آخری ارادہ یا حکم یا عمل کو ختم کر دینا ضرور مفہوم قضاء کے اندر ماخوذ ہے صلات کے اختلاف اور سیاق کی مناسبت سے مختلف معانی مراد ہوتے ہیں بنانا، پورا کرنا، عزم کرنا، فیصلہ کرنا، حکم جاری کرنا، حکم دینا، مقدر کرنا، قطعی وحی بھیج کر اطلاع دینا، مقرر کرنا، حاجت پوری کر کے قطع تعلق کر لینا، فارغ ہونا، مر جانا، مار ڈالنا، ان سب معانی کے لیے قضاء کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے ▲ عُلُوًّا: بلند ہونا، سرکشی کرنا، کسی کام پر قوی ہونا، کسی چیز پر زبر ہونا، کسی شخص پر غلبہ پانا۔ یہ عَلَا یَعْلُو کا مصدر ہے اور اس کا فعل باب نصر سے آتا ہے۔ امام ابوجعفر بیہقی تاج المصادر میں مذکورہ بالا معانی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "اس مادہ کی ترکیب دلالت کرتی ہے بلندی اور رفعت پر" اور امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔ عُلُوٌّ سُفْلٌ کی ضد ہے اور علوی اور سفلی انہی دونوں کی طرف منسوب ہیں۔ عُلُوٌّ کے معنی بلند ہونے کے ہیں (گردان آتی ہے) ▲ كَبِيرًا: صفت مشبہ

مفرد منصوب نکرہ - مقدار میں بڑا ، گناہ کے لحاظ سے بڑا ، عظمت و مرتبہ میں بڑا ، عذاب اور
دکھ کے لحاظ سے بڑا ، دکھ اور مقدار میں بڑا ، برائی اور مقدار میں بڑا ، عمر میں بوڑھا ، جسامت
و اجر میں بڑا ، جسامت یا خیال وغیرہ اور معنی عظمت میں بڑا ، عظمت و وسعت اور مقدار میں بڑا ▲
بَأْس : لڑائی ، دبدبہ ، سختی ، آفت ، جنگ کی شدت ۔ اصل میں تو اس کے معنی سختی اور آفت
کے ہیں مگر لڑائی اور غلبہ کے معنی میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے ▲ جَاسُوْا : وہ گھس پڑے
وہ داخل ہوتے (نصر) جوس سے جس کے معنی لوٹ مار کے لئے گھس پڑنے کے ہیں ، ماضی کا صیغہ
جمع مذکر غائب ▲ خِلٰلَ : درمیان ، بیچ ، وسط ، خَلَلٌ کی جمع ہے جس کے معنی دو چیزوں
کی درمیانی کشادگی کے ہیں ▲ نَفِیْرًا : صفت مشبہ یا جمع یا مصدر ، خاندان ، کنبہ یا جماعتی
دستہ دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے نکلنے والا یا نکلنا ۔ لفظ نفیر یا بمعنی نافر ہے بمعنی
صفت مشبہ بمعنی فاعل ہے یعنی وہ لوگ جو ضرورت کے وقت ساتھ نکل کر جاتے ہیں قبیلہ
یا کنبہ کے افراد یا نفیر نفر کی جمع ہے جیسے عبید عبد کی اس وقت وہ جماعتی دستہ معلوم
مراد ہوتا جو دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے جاتا ہے یہ قول زجاج کا ہے یا نفیر مصدر ہے یعنی
خروج یا زیادہ نکلنے والے لیکن اس سے زیادہ اس کی تشریح یہ ہے علامہ زمخشری نے کشاف
میں کہا ہے کہ بہ نسبت تمہارے زیادہ نکلنے والے یعنی جو حالت تمہاری ہے اس سے زیادہ ۔ جمالین (ل ق)
معلومات مزید ✶ جب ولایت شام میں بنی اسرائیل کی سلطنت صدیقیہ از اولاد سلیما
کو سپرد ہوئی چونکہ وہ ضعیف تھا اور اسی لئے اطراف کے بادشاہوں کو ایلیا د
کی سلطنت کا طمع ہوا ، تیر ابرا الفورس نے سب سے پہلے سنجاریب موصل کے علاقہ پر قبضہ
جمایا اس کے بعد سلمانسر نے آذربائیجان پر قبضہ پالیا ان ہر دو نوں کو ایلیا پر فتح کا
جنون سا ہوا لیکن ہر دو آپس ہی میں برسر پیکار ہوئے اور نوبت خونریز جنگ کی ہوئی ۔ اور
نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کو شکست ہوئی اور تمام غنیمت بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی
پھر بادشاہ روم ، فلسطینیہ اور سلطان اندلس اگرچہ بیت المقدس پر قبضہ کے لئے نکلے لیکن
تینوں کے لالچ نے انہیں ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیا انجام یہ کہ آپس میں لڑائی جھگڑے میں وقت و طاقت گنوالی
ہر ایک نے شکست کھائی اور اپنے ملکوں کو لوٹ گئے ان میں سے ہر ایک کے اموال
غنیمت بنی اسرائیل کے ہاتھ لگے مال و دولت کی کثرت نے انہیں مغرور و سرکش بنا رکھا تھا ✶
بخت نصر سنجاریب کا کاتب تھا اس کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے موافق بخت نصر نے
بیت المقدس پر حملہ کیا اور فتح پائی اور بیت المقدس کو عظیم تباہی اور نقصان پہنچا ۔ فر (س م ح ش)

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ قف وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ
الْآخِرَةِ لِيَسُوْٓءُوْا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ
وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ ج وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا م
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ
أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا ۝

اگر تم اچھے کام کروگے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر تم برائی کروگے تو اس کی سزا بھی
(تمہارے) نفسوں کو ملے گی۔ پس جب آگیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ان پر غالب آگئے)
تاکہ غمناک بنادیں تمہارے چہروں کو اور تاکہ (جبراً) داخل ہوجائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے
تھے اس میں پہلی مرتبہ تاکہ تباہ و برباد کرکے رکھ دیں جس پر قابو پائیں * قریب ہے تمہارا رب
تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے اور ہم نے
بنادیا جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ * بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب
راہوں سے سیدھی راہ ہے اور مژدہ سناتا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں
کہ بلاشبہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ (17/7تا9 * ت: ص)

ے۔ (ہم نے کہہ دیا کہ) اگر بھلائی کروگے تو اپنے لئے بھلائی کروگے (یعنی اللہ کے احکام پر چلوگے تو خود
تمہارے لئے سودمند ہوگا ثواب پاؤگے اللہ کو تو تمہاری اطاعت سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر برائی
کروگے تب بھی اپنی جانوں کے لئے برائی کروگے خود ہی سزا پاؤگے اپنا نقصان کروگے اللہ کا کچھ ضرر
نہ ہوگا * پھر جب پچھلی مرتبہ (کی سزا) کا وعدہ (مقررہ وقت) آپہنچا (تو ہم نے کچھ لوگوں
کو مسلط کردیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو اداس کردیں اور مسجد (بیت المقدس اور اس کے اطراف)
میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلی مرتبہ گھسے تھے اور جس مقام پر غلبہ پائیں اس کو کامل
طور پر تباہ کردیں۔ "لِيَسُوْٓءُوْا وُجُوْهَكُمْ" سے یہ مراد ہے کہ تمہارے چہروں کی ایسی حالت
کردیں جس سے برائی اور خرابی کے آثار واضح طور پر نمایاں ہوں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے ایرانیوں، رومیوں، خردوش اور طیطس کو بنی اسرائیل پر مسلط کردیا۔ حملہ کرنے والوں نے
بنی اسرائیل کو قتل کیا قید کیا اور جلاوطن کیا اس طرح دوبارہ بنی اسرائیل تباہ ہوگئے۔
"مَا عَلَوْا" جس چیز پر غلبہ پائیں یا جتنی مدت غالب رہیں۔ بغوی نے محمد بن اسحاق

کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل بار بار نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہتے تھے اور اللہ ان سے درگزر فرماتا تھا اور اپنے احسانات سے نوازتا رہتا تھا۔ گناہوں کی پاداش ہی یا سب سے پہلے جو مصیبت ان پر آئی وہ تھی جس کا اظہار اللہ نے اپنے پیغمبر (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی زبان سے کرا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام صدقیاہ تھا اس زمانہ میں اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ جاری تھا کہ بادشاہ کو ہدایت کرنے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اس کے ساتھ اللہ ایک پیغمبر کو بھی مبعوث فرما دیا کرتا تھا۔ ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ توریت ہی[۳۴] پر چلنے کی ہدایت پیغمبر کرتا تھا۔ صدقیاہ بادشاہ ہوا تو اس کی راہنمائی کے لئے اللہ نے شعیا بن امصیا کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا۔ شعیا کی بعثت حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ[۳۴] سے پہلے تھی۔ شعیا ہی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے صدقیاہ کو اس کے دشمن سنحاریب جو چھ لاکھ سپاہیوں کے ساتھ آیا تھا سے بچا لیا۔

۳۴ [illegible] کی ہدایت پر

(تفسیر مظہری)

۸۔ کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اگر اب بھی باز آجاؤ) لیکن اگر تم پھر (سرکشی و فساد کی طرف) لوٹے تو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) ہماری طرف سے بھی پاداش عمل لوٹ آئے گی اور (یاد رکھو!) ہم نے منکرینِ حق کے لئے جہنم کا قیدخانہ تیار کر رکھا ہے * آیت نے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو قانونِ جزاءِ عمل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے اور اس سے قرآن کی معجزانہ بلاغت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے " وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا " اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے یعنی اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانونِ مجازات بھی پاداش وعقوبت کی طرف لوٹے گا جونہی تم نے برائی کا رخ کیا نتائج عمل کا قانون بھی پاداش وعقوبت میں سرگرم ہو گیا "عمل" اور "نتیجہ" دو ایسی لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ نتیجہ عمل کا سایہ ہے جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا تم نے اچھے عمل کی طرف رخ کیا اور اچھے نتائج بھی تمہاری طرف تکنے لگے تم نے برے عمل کی طرف قدم اٹھایا برے نتائج کے بھی قدم اٹھ گئے اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ اور جس قدر بھی غور کرو حقیقت پر حقیقت نظر آتی "وان عدتم عدنا" * آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو ہلاکتیں ہو چکیں اب تیسری مہلت تمہیں ملی ہے یعنی دعوتِ حق کے ظہور نے رحمتِ الٰہی کی بخششوں کا دروازہ کھول دیا ہے اگر انکار و سرکشی سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے سعادت و کامرانی ہے باز نہ آ سکے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا ہے تیسری مرتبہ بھی دکھلائے گا۔

(ترجمان القرآن)

9 - قرآن مجید جو کتاب ہدایت ہے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اپنی اصول و قوانین کی تعلیم دیتی ہے جو ہر لحاظ
سے دیگر قواعد و ضوابط سے بہتر، زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اس لئے بے جھجک اپنی انفرادی اور اجتماعی
تمدنی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی رہنمائی کے لئے اس سے روشنی حاصل کرو۔ کسی کی وسوسہ
اندازی سے تمہارا یقین مضمحل نہ ہو (قرطبی) اور جو لوگ قرآن کی اس دعوت کو صدق دل سے
قبول کرتے ہیں اور اس پر راست بازی سے عمل کرتے ہیں تو قرآن ان کو یہ مژدہ سناتا ہے کہ تمہارا
کوئی عمل رائیگاں نہ جائے گا تمہاری کوئی محنت بے ثمر نہ ہوگی بلکہ تم کو اس عمل جمیل کا عظیم
صلہ دیا جائے گا جس کی لذت سے تم دونوں جہاں میں شادکام ہوگے۔ (ضیاء القرآن)

لغوی اشارے ✲ اَحْسَنْتُمْ : تم نے نیکوئی کی۔ تم نے بھلائی کی۔ احسانٌ سے ماضی کا صیغہ جمع
مذکر غائب ▲ اَسَأْتُمْ : تم نے برا کیا۔ تم نے برائی کی۔ اِسَاءَةٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ▲
وَعْدُ : اسم اور مصدر مرفوع مضاف وعدہ اور وعدہ کرنا ▲ لِيَسُوْءُوْا : جمع مذکر غائب مضارع
منصوب سوء مصدر (نصر) تاکہ وہ بگاڑ دیں ▲ لِيُتَبِّرُوْا : جمع مذکر غائب تتبیرٌ سے مصدر
(تفعیل) تباہ کردیں۔ تَبْرٌ توڑنا، ہلاک کرنا (ضرب) ہلاک ہونا (سمع) تِبْرٌ سونے چاندی
کے کچھ ذرے اور بقول زجاج ہر معدنی دھات (ضرب) باقی تنقیح کے لئے مُتَبَّرٌ اور تبارًا ▲ عَسٰی :
عنقریب ہے، اشتباہ ہے، ممکن ہے، توقع ہے، اندیشہ ہے، کھٹکا ہے علامہ سیوطی کہتے ہیں "عسی"
فعل جامد ہے، غیر منصرف اور اسی بناء پر ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ یہ حرف ہے اس کے معنی
پسندیدہ بات میں اندیشہ اور کھٹکے کے ہیں۔ ابن فارس کا کہنا ہے کہ عسی قرب اور نزدیکی کے
لئے آتا ہے۔ حضرت ابن عباس کا فرمانا ہے کہ قرآن پاک میں ہر جگہ عسی واجبہ ہے یعنی یقینی
کے لئے استعمال ہوا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کے لئے ہے ▲
عُدْتُمْ : تم نے پھر کیا۔ تم نے دوبارہ کیا۔ عَوْدٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر علامت تم میں ادغام
ہوا نہیں ہے ▲ عُدْنَا : ہم پھر آئے۔ ہم نے پھر کیا۔ ہم نے دوبارہ کیا۔ عَوْدٌ سے ماضی
کا صیغہ جمع متکلم ▲ حَصِيْرًا : زندان خانہ، قید خانہ، [illegible] ہے۔ (ل ق)

مفہومات مزید ✲ جو نیکی کرے گا وہ اپنی نیکی کا فائدہ اٹھائے گا اور جو برائی کرے گا اسے اس برائی کی سزا ملے گی
✲ سعادت مند دوزخ کے اسباب سے بھی دور رہتے ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اللہ سے محبت رکھنے والے
اور ڈرنے والے ہر وقت ہر حال میں دوزخ کے سرد و گرم سے پناہ مانگا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ [illegible] و رحمت
سے امید رکھا کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت و عطا سے مایوس نہیں فرماتا بلکہ ان کی طلب و توقع
سے کہیں زیادہ نوازتا ہے ✲ جو بار بار نافرمانی کرے گا وہ بار بار سزا پائے گا (س م ح ش)

وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَيَدْعُ
الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً
لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَ
كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک
تیار رکھا ہے * اور انسان برائی کی درخواست (یعنی اس تقاضہ سے) کرتا ہے (جس طرح)
بھلائی کی درخواست اور انسان ہے ہی جلدباز * اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں
بنا رکھا ہے سو ہم نے رات والی نشانی کو دھندلا بنایا اور ہم نے دن والی نشانی کو روشن
کر دیا تاکہ اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو۔ اور تاکہ برسوں کا شمار اور (دوسرے)
حساب معلوم کر لیا کرو۔ اور ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے (۱۷/ ۱۰ تا ۱۲ * ت: م)

۱۰۔ اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے احکام بعث و نشر
اور حساب و کتاب کو مانتے ہیں حالانکہ انھیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے * ان کے کفر
اور آخرت کے وجود کے انکار کی وجہ سے ہم نے ان کے لئے تیار رکھا ہے دردناک عذاب۔ اس
سے جہنم کا عذاب مراد ہے * اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دو بشارتیں دی ہیں۔ ایک ان کو ثواب
دوسرا ان کے دشمنوں کو عذاب۔ اس لئے کہ ان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کی ذلت
و خواری سے خوش ہوتا ہے (روح البیان۔ ت)

۱۱۔ اور (بعض) آدمی برائی (یعنی عذاب) کی ایسی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی
کی درخواست۔ شر کی دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ غصہ میں اپنے لئے اپنے اہل و عیال اور
مال کے لئے بد دعا کرتا ہے یا یہ مراد ہے کہ بعض چیزوں کو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہوئے ان کو
حاصل کرنے کی اللہ سے دعا کرتا ہے حالانکہ وہ چیزیں اس کے لئے بری ہوتی ہیں * خیر کی
دعا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا اور دین کی بھلائی کے لئے اور عذاب آخرت سے محفوظ
رہنے کے لئے دعا کرتا ہے۔ پس اسی طرح وہ شر کا بھی طالب ہوتا ہے۔ اگر اللہ اس کی بد دعا
قبول فرمالے تو یقیناً وہ تباہ ہو جائے مگر اللہ اپنی مہربانی سے اس کی بد دعا قبول نہیں فرماتا

اور اس کے سوال کے مطابق تباہ نہیں کرتا) ✱ انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی جو خیال دل میں آتا ہے
چاہتا ہے کہ فوراً پورا ہو جائے، انجام پر غور نہیں کرتا اور یہ نہیں سوچتا کہ اگر اس کا خیال پورا کر دیا
جائے تو اس کا نتیجہ سامنے آ جائے گا جو اس کو پسند نہ ہوتا، ناگوار ہوتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے
فرمایا صبر نہیں کرتا، نہ اس کو دکھ پر قرار ہوتا ہے نہ سکھ پر، ہر چیز سے اکتا جاتا ہے اور تنگ دل ہو کر
دعا کرتا ہے۔ بعض علماء نے کہا الانسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جب روح ان کے
بدن میں ڈالی گئی تو ناف تک ہی پہنچی تھی کہ اٹھنے لگے مگر اٹھ نہ سکے۔ ابن جریر نے حضرت
ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے ✱ کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ الانسان سے مراد
کافر انسان ہے اور دعا شر سے مراد عذاب کے فوراً آ جانے کی دعا ہے کافر بطور استہزاء
جلد عذاب آنے کی درخواست کرتے تھے۔ نضر بن حارث نے کہا تھا۔ اے اللہ! دونوں گروہوں میں
جو فریق بہتر ہو اس کو فتح یاب کر۔ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہ قرآن و اسلام
ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔ چنانچہ بدر کے دن نضر بن حارث کی گردن
ماری گئی۔ (تفسیر مظہری ت)

١٢۔ رات کی تاریکی اور خاموشی میں، دن کے اجالے اور سرگرمی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت
کی جو روشن نشانیاں ہیں کون ذی فہم ایسا ہے جس نے ان کی زبان سے رب السموات والارض
کی حمد و ثنا نہ سنی ہو۔ دن رات کے تسلسل میں جو فوائد ہیں ان کو کون نہیں جانتا اور ان سے
کون مستفیض نہیں ہوتا؟ ان گنت فوائد میں سے بعض کا ذکر اس آیت شریف میں کر دیا گیا ہے۔
✱ محو کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کے اثر کو زائل کرنا یہاں اس سے مراد مدھم کر دینا دھندلا
دینا ہے۔ چاند اگرچہ روشن ہے لیکن اس کی روشنی دھندلی اور مدھم ہے اور اس سے ہر چیز دھندلائی
ہوئی نظر آتی ہے اس کے برعکس سورج کی روشنی بڑی تیز ہے ہر چیز اپنے اصلی رنگ و روپ میں
دکھائی دینے لگتی ہے کوئی التباس باقی نہیں رہتا۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ
رات سے مراد گمراہی کی تاریکی ہے اور دن سے مراد حق کا اجالا ہے۔ اس آیت میں گویا اس
امر کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ کفر و شرک کی شب دیجور ختم ہونے والی ہے اور حق کا
آفتاب طلوع ہونے والا ہے جس کی شعاعیں باطل کے اندھیروں کو ختم کر کے رکھ دیں گی
اور ہر طرف اجالا ہی اجالا ہو گا ✱ ہر وہ چیز جس کی طرف تم دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لئے
محتاج ہو اس کو نہایت شرح و بسط سے اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص اس
تفصیل سے یکساں طور پر مستفیض نہیں ہوتا بلکہ جتنی کسی کو استعداد بخشی جاتی ہے اس کے مطابق

وہ بہرہ مند ہوتا۔ اگر کسی کم نظر کو وہ حقائق نظر نہیں آتے جو اہل بصیرت کو بے حجاب دکھائی دیتے ہیں تو اسے اپنی کم نظری کا شکوہ کرنے کا تو حق پہنچتا ہے لیکن اسے ان حقائق سے انکار کا حق نہیں جو نفوس قدسیہ کے سامنے بے نقاب ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بجا فرمایا ہے "سارے علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کی عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔" (ضیاء القرآن)

● اس آیت میں اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے اور کس طرح کارخانہ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری نگاہ پر اثروں کا ذریعہ ہے اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہو اگر وہ وحی و نبوت کے قیام کے ذریعہ تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے (ترجمان القرآن)

▲ لغوی اشارے ✶ أَعْتَدْنَا : ہم نے تیار کر رکھا ہے إعتاد سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ▲ يَدْعُ : واحد مذکر غائب امر دُعَاءٌ مصدر (نصر) اس کو دعا کرنی چاہیئے۔ مضارع مجزوم پکارتا ہے۔ پکارے گا (یعنی مدد اور عبادت کے لئے) مانگتا ہے دعا کرتا ہے۔ پکارے گا امر غائب اس کو پکارنا چاہیئے اس کو بلانا چاہیئے ▲ عَجُولًا : بہت جلد باز، بڑا تاولا بہت زیادہ شتاب کار، عجلٌ سے مبالغہ کا صیغہ ▲ مَحَوْنَا : جمع متکلم ماضی معروف، مَحْوٌ مصدر (نصر) ہم نے مٹا دی، ہم مٹا دیتے ہیں، محو کے مفہوم میں اثر کو زائل کرنے کا معنی ضرور ہوتا ہے۔ مَحْوٌ چاند کا سیاہ دھبہ جس سے اس کا نور مٹ جاتا ہے مَحْوَةٌ بارش جو خشک سالی کو مٹا کر اسے زائل کر دیتی ہے وہ ننگ و عار جو عزت کے زوال کا سبب ہو جاتا ہے۔ شمالی ہوا جو ابر کو لے جاتی ہے۔ ماحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم لقبی ہے اس لئے کہ حضور کفر کو مٹانے والے ہیں۔ مَحْيٌ (ضرب سے بھی) نشان کے لائق مکمل زائل کرنا ہے (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ انسان اپنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف عجلت باز ہے نہ وہ نعمتوں میں خوش رہتا نہ تکالیف سے اور نہ وہ گرمیوں پر صبر کرتا ہے نہ سردیوں پر (کاشفی) بزرگان دین کا کہنا ہے کہ اگرچہ عجلت شیطانی عمل ہے لیکن چھ کام ایسے ہیں جن میں عجلت ضروری ہے۔ (۱) نماز کی ادائیگی میں جب کہ اس کا وقت ہو جائے (۲) جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کر دینے میں (۳) قرض کی ادائیگی میں جلدی کی جائے جب کہ ادائیگی کی طاقت و صورت پیدا ہو جائے (۴) جب مہمان آ جائے تو اس کو کھانا جلد کھلایا جائے (۵) جب گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے تو توبہ اور عفو طلبی میں جلدی کی جائے (۶) جب کسی کی وفات ہو جائے تو اس کی تدفین میں عجلت کی جائے (س م ح ش)

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا
یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ۝
مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے "گا * فرمایا جائے "گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے * جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں
(۱۷/۱۳ تا ۱۵ * ت: ک)

۱۳۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں انسان کا عمل اور جو اس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، وہ جہاں بھی جائے وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں خیر اور شر انسان کے ساتھ رہتے ہیں اس سے جدا نہیں ہوتے حتیٰ کہ اس کا محاسبہ ہو جائے حضرت حسن کا کہنا ہے اس کا یمن و شوم یعنی سعادت و بدبختی اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں طائر سے مراد وہ فیصلہ ہے جو کیا جا چکا ہے کہ یہ شخص یہ عمل کرے گا اور سعادت و شقاوت کا عمل بھی لکھا جا چکا ہے وہ اسے ضرور کرے "گا۔ عرب کی عادت کے موافق شگون کو طائر کہا گیا ہے۔ عرب جدا نہ ہونے والی چیزوں کے متعلق کہتے ہیں کہ فلاں چیز اس کے گلے پڑ گئی ہے۔ کتاباً سے مراد عمل کا صحیفہ ہے۔ انسان کو وہ کتاب دی جائے "گی۔ امام بغوی کا کہنا ہے کہ آثار میں ہے اللہ تعالیٰ فرشتے کو صحیفہ لپیٹنے کا حکم دیتے ہیں جب انسان کی عمر مکمل ہو جاتی ہے پھر قیامت تک نہیں کھولا جاتا۔ (تفسیر مظہری۔ ت: ک۔ ش)

۱۴۔ عرب میں اپنے ہر کام کا نیک و بد انجام طائر یعنی پرندوں کی پرواز سے معلوم کرتے تھے اگر دائیں سے اڑا تو خیر اور بائیں سے اڑا تو شر۔ پھر جب اس کا استعمال زیادہ ہوا تو ہر خیر و شر کو طائر کہنے لگے * ہر ایک آدمی کا نیک و بد اس کی گردن میں باندھ دیا ہے جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اس کے ساتھ لازم ہو رہا ہے۔ یہی نیک و بد عمل جو دنیا میں اس کے گلے کا ہار تھا ایک کتاب کی شکل میں ظاہر ہو "گا جو اس کے تمام نیک و بد کا ایک روزنامچہ ہو "گا۔ حکم ہو "گا اس کو پڑھ، دیکھ تو نے دنیا میں کیا کیا تھا اس میں ہر ہر بات ہوگی اسی کو قرآن و حدیث میں اکثر بلفظ کتاب ذکر کیا گیا ہے پھر اس کی تفصیل

ہے کہ اہل خیر کی کتاب داہنی طرف سے اور بدوں کی بائیں طرف سے ملے گی۔ مگر اس سے مراد دنیا کی طرح کی کوئی مجلد کتاب، شیرازہ بندھی پٹھے لگی ہوئی نہیں بلکہ اس کے اعمال کا صحیح اندازہ جو ہر ایک پر واضح کیا جائے گا اس کے پڑھنے سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر حقانی)

۱۵۔ ہر وہ شخص سیدھے راستے پر چلے، قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلے، احکام شرعیہ کے مامورات پر کاربند ہو اور جن باتوں سے قرآن مجید نے روکا ہے ان سے رک جائے تو بے شک وہ اپنے نفس کے لئے ہدایت پاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہدایت کا نفع اسی کی طرف لوٹے گا اور وہ نفع کسی دوسرے کو نہ ملے گا اور جو اس راہ سے بھٹک گیا جو اسے حق تعالیٰ تک پہنچاتی ہے بے شک گمراہی کا وبال اسی پر آئے گا اور وہ اس سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے تک نہیں پہنچے گا کیونکہ گمراہی کا عمل اس نے کیا ہے تو سزا بھی وہی بھگتے گا اس کے بدلے میں کوئی اور دوسرا سزا نہ پائے گا * قاضی بیضاوی نے کہا کہ یہ حکم آخرت کا ہے کہ ہدایت پانے کی جزا کا نفع صرف اسی ہدایت پانے والے کو نصیب ہوگا اور گمراہی کا نقصان یا وبال اسی کو ہوگا جس نے گمراہی کا عمل کیا ہے ورنہ دنیا میں ہدایت کے فوائد نہ صرف ہدایت یافتہ کو بلکہ بے شمار خلق خدا اس کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اسی طرح گمراہی کا نقصان بھی صرف اسی عامل تک محدود ہوتا ہے بلکہ جو بھی اس کی گمراہی کی تابعداری کرتا ہے سراسر نقصان اٹھاتا ہے * قیامت میں کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ایک کے بوجھ اٹھانے سے دوسرے کی نجات ہو جائے بلکہ ہر عمل اپنے عامل کے سر پر رکھا جائے گا اور اسے اپنے لازم کر دیا جائے گا کہ سوا اس کے اپنے گناہ کے اور کسی کا مواخذہ نہ ہوگا * فرمایا۔ اور ہم عذاب دینے والے نہیں اور ہمارے لئے مناسب نہیں بلکہ ہماری عادت سے محال ہے اس لئے ہمارا ہر حکم ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے ہم اہل ضلال اور اہل اوزار کو بتقاضائے عقل عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ ہم ان کے ہاں بھیجیں رسول علیہ السلام جو انہیں حق کی ہدایت دے اور گمراہی سے روکے اور دلائل و حجج قاطعہ سے سمجھائے اور شرعی مسائل سے آگاہ فرمائے تاکہ پھر وہ معذرت اور حجت بازی نہ کریں۔ (روح البیان۔ ت)

لغویات * اَلْزَمْنٰهُ : ہم نے اس کے لئے لگا دیا ہے ہم نے اس کے لئے لازم کر دیا ہے اَلْزَمْنَا۔ اِلْزَامٌ سے کے معنی لازم کرنے اور لگا دینے کے ہیں جمع متکلم کا صیغہ ہ ضمیر واحد مذکر غائب ▲ طٰٓئِرَهٗ : اس کی شامت اعمال، اس کی بری قسمت، طائر مضاف ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ راغب اصفہانی رقمطراز ہیں کہ "وہ عمل مراد ہے جو انسان سے اڑتے ہوئے طائر کی طرح (خیر ہو یا شر ہو) سرزد ہو اسی سے استعارہ ہے

المنیر

▲ **عنقه** : اس کی گردن عنق مضاف ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ۔ علامہ احمد فیومی المصباح ۔ میں لکھتے ہیں ۔ "عنق کے معنی گردن کے ہیں ۔ یہ مذکر ہے مگر اہل حجاز اس کو مؤنث بولتے ہیں " نیز حجاز کی زبان میں اس کا نون مضموم ہے اور بنو تمیم کی زبان میں ساکن ۔ اس کی جمع اعناق ہے ▲ **یلقٰه** واحد مذکر غائب مضارع معروف لُقِیٌّ مصدر (سمع) وہ اس کو پائے گا ▲ **منشورًا** : اسم مفعول واحد مذکر منصوب نشرٌ سے کھلا ہوا ۔ یعنی قرآن (کبیر) ▲ **تزر** : وہ بوجھ اٹھاتی ہے وہ بوجھ اٹھائے گی (ضرب) وزرٌ سے جس کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ▲ **وازرة** : اسم فاعل واحد مؤنث وِزرٌ مصدر (ضرب) پشت پر بوجھ اٹھانے والا نفس یعنی شخص یعنی کوئی شخص دوسرے کا گناہ اپنے اوپر نہ اٹھا سکے گا ۔ وِزرٌ ۔ بوجھ ۔ گیہوں کا لنجہ ۔ ہتھیار ، ساز اوزار جمع وَزَرٌ ۔ بلند پہاڑ ، پناہ گاہ ۔ وزیر مشیر سلطنت ، بادشاہ کا بوجھ اٹھانے والا ، بادشاہ کی پشت کو مضبوط کرنے والا ۔ موزور ۔ وہ شخص جس کی پشت پر بوجھ لدا ہو ۔ وَزرٌ وِزرٌ اور وِزرةٌ مصادر ہیں ▲ **اُخریٰ** : دوسری پچھلی ۔ آخر ، اُخر دونوں کی مؤنث اُخریٰ آتی ہے (ل ق)

معلومات مزید ✶ جو کچھ (ہر انسان) کے لئے مقدر کیا گیا ہے خیر یا شر ، سعادت یا شقاوت وہ اس کو اس طرح لازم ہے جیسے گلے کا ہار جہاں جائے ساتھ رہے کبھی جدا نہ ہو مجاہد نے کہا کہ ہر انسان کے گلے میں اس کی سعادت یا شقاوت کا نوشتہ ڈال دیا جاتا ہے (صدر الافاضل) جس نے ہدایت پائی اور راہ راست پر آیا تو اس کی برکات سے وہی سرخرو ہوگا اور جو راہ حق سے بھٹکا ، گمراہ ہوا وہ اپنے لئے ہی بھٹکا ۔ ہر ایک کے گناہ کا بوجھ اسی پر ہوگا ۔ انسان کے اعمال کا لکھا ہوا نوشتہ خود اس پر حقائق کو ظاہر کردے گا ۔ اس کو اپنے اعمال کے متعلق کسی اور سے دریافت یا سوال کرنے کی حاجت نہ ہوگی

✶ جس نے راہ ہدایت اختیار کی اس نے اپنی بہتری کا سامان مہیا کرلیا اور جس نے گمراہی پسند کی اسے سزا ضرور بھگتنی ہے (ک ش) شیخ اسماعیل حقیؒ نے لکھا ہے "قانون اور ضابطہ تو یہ ہے کہ حقیقتاً ہر نیکی کا صلہ اور ہر برائی کی سزا اس کے عامل کو ملے اور یہ لازمی امر ہے باقی رہا شفاعت کا معاملہ تو وہ اصل نیکی کی جزا نہیں بلکہ وہ ایک علیحدہ امر ہے جیسے اصل نیکی سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح گمراہی کی سزا صرف گمراہی پر منحصر ہے اگر کسی گمراہ کے سبب سے سزا ملے گی تو وہ اضلال (گمراہ کرنے) کی سزا ہے نہ کہ گمراہی کی ۔ ضلال اور اضلال میں فرق ظاہر ہے ۔ ولا تزر جملہ ثانیہ کی تاکید ہے تاکہ کفار کو ہر طرح کا طمع ختم ہو کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اگرچہ ہم غلط کار ہیں لیکن ہم اسلاف کی وجہ سے نجات پا جائیں گے اس لئے کہ ہم ان کے تابعدار ہیں اور جو کچھ نفع و نقصان اصل کو پہنچتا ہے وہی اس کے تابع کو پہنچے ✶ شان نزول کے متعلق کاشفی نے لکھا ہے ولید بن مغیرہ کافروں سے کہا کرتا تھا ۔۔۔ کہ تم میری اتباع کرو تمہارے تمام گناہ میں اپنے سر پر رکھوں گا اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ روز قیامت اپنے عرق میں غرق ہوگا کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا (ص م ح ش)

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ط وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ۝ مَّن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُۥ جَهَنَّمَ ج يَصْلَىٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ۝

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کردیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان * پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح (علیہ السلام) کے بعد اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے (اور انہیں) خوب دیکھنے والا ہے * جو کوئی طلبگار ہے صرف دنیا کی ہم جلدی دیدیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) دھتکارا ہوا ہوگا۔ (۱۶/۱۷ تا ۱۸ * ت: ضم

۱۶۔ "امرنا" کی قراءت میں اختلاف ہے۔ مشہور قراءت "اَمَرْنَا" تخفیف کے ساتھ ہے۔ اب اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں امر سے مراد امر تقدیری ہے * بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہم ان اہل ثروت کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ بدکاریوں کا بازار گرم کرنے کی پاداش میں مستحق عقوبت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیرؒ سے یہی معنی منقول ہے۔ بقول ابن جریر اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ہم ان کو حکمران بنا دیتے ہیں۔ یہ معنی اس قراءت کے مطابق ہے جس میں "اَمَّرْنَا" پڑھا گیا ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے (اس قراءت کے مطابق) یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ ہم شہر پر اہل ثروت کو اقتدار دیدیتے ہیں لیکن وہ سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے ہیں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مبتلائے عذاب کرکے ہلاک کر دیتا ہے۔ ابوالعالیہ، مجاہد اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ عوفی حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، اسی طرح

عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے۔ زہریؒ سے بھی یہی منقول ہے ان میں سے بعض نے حضرت
سوید بن ہبیرہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
"آدمی کا بہترین مال وہ بچھیری ہے جس کی نسل زیادہ ہو یا وہ رستہ جو کھجور کے درختوں
سے اٹا پڑا ہو" امام ابوعبیدہ قاسم نے ماٗمورہ کا معنی کثیر النسل، سکۃ مابورۃ کا معنی وہ رستہ جو
کھجوروں کی قطاروں سے آراستہ ہو، بتایا ہے (تفسیر ابن کثیر۔ ت/ک ش)

١٧۔ کم خبریہ کثرت کا معنی دے رہا ہے "من القرون" کم کا بیان اور تمیز ہے۔ قرن اس قوم
کو کہتے ہیں جن کا ایک زمانہ ہو یعنی جن کی ولادت ایک زمانہ میں ہو قاموس میں ہے کہا جاتا ہے "ھو
علی قرنی" یعنی وہ میرا ہم عمر ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ رقمطراز ہیں "قرن الصحابہ" "قرن التابعین"
سے مراد وہ افراد ہیں جنہوں نے صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف پایا اور جنہوں نے
صحابہ کرام سے ملاقات کی سعادت پائی۔ علماء کے قرن کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ دس سال
یا بیس سال یا تیس، چالیس، پچاس، ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو بیس سال۔ قاموس
میں یہ سب اقوال موجود ہیں احناف مفقود الخبر کے لئے نوے سال کا اعتبار کرتے ہیں ✱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے عبداللہ بن بسر المازنی کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ بچہ ایک قرن زندہ رہے گا۔ جب ان کی عمر سو سال ہو گئی
تو ان کا وصال ہوا ✱ قوم عاد، ثمود وغیرہم کی ہلاکت کا ذکر کفار مکہ کی تخویف کے لئے ہے ✱ اللہ تعالیٰ
باخبر ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے اگرچہ وہ اپنے نہاں خانہ دل میں چھپائے ہوئے ہوں وہ اپنے
بندوں کے گناہوں کو دیکھ رہا ہے خواہ وہ ان پر کتنے پردے ڈالے ہوئے ہوں۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

١٨۔ "جو یہ جلدی والی چاہے (یعنی دنیا کا طلبگار ہو) ہم اسے   میں جلد دے دیں جو چاہیں
جسے چاہیں"۔ یہ ضروری نہیں کہ طالب دنیا کی ہر خواہش پوری کی جائے اور اسے دیا ہی جائے اور جو
وہ مانگے وہی دیا جائے ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں سے جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محروم
کر دیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بہت چاہتا ہے اور تھوڑا دیتے ہیں کبھی ایسا کہ عیش چاہتا ہے
تکلیف دیتے ہیں ان حالتوں میں کافر دنیا و آخرت دونوں کے ٹوٹے (   ) میں رہا اور اگر دنیا میں
اس کو اس کی پوری مراد دیدی گئی تو آخرت کی بدنصیبی و شقاوت تو جب بھی ہے بخلاف مومن کے
جو آخرت کا طلبگار ہے اگر وہ دنیا میں فقر سے بھی بسر کر گیا تو آخرت کی دائمی نعمت اس کے لئے
ہے اور اگر دنیا میں بھی فضل الٰہی سے اس کو عیش ملا تو دونوں جہاں میں کامیاب۔ غرض مومن ہر
حال میں کامیاب ہے اور کافر اگر دنیا میں آرام پا بھی لے تو بھی کیا کیونکہ "پھر اس کے لئے جہنم کر دیں کہ
اس میں جائے مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا"۔
(حاشیہ کنز الایمان۔ صدر الافاضل)

لغوی اشارے ★ مُتْرَفِيهَا : اسم مفعول جمع مذکر حالت نصب مضاف ، اصل میں مُتْرَفِينَ تھا۔ اضافت کے سبب سے نون اعرابی گرا دیا گیا۔ بستی کے عیش پرست ، دولت مند ، خوشحال لوگ ، یعنی ہم جس بستی کو برباد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اول وہاں کے دولت مند لوگوں اور اونچے طبقہ والوں کو اعمال صالحہ کا حکم دیتے جب وہ نہیں مانتے اور نافرمانی کرتے ہیں تو حجت تمام ہوجاتی ہے اور ہم اس بستی کو تباہ کر دیتے ہیں ▲ فَسَقَ : واحد مذکر غائب ماضی معروف فِسْق مصدر اس نے نافرمانی کی ، حدود اطاعت سے نکل گیا ▲ دَمَّرْنَا : ہم نے خراب کردیا ، ہم نے ہلاک کردیا ، ہم نے اکھیڑ مارا ۔ تَدْمِيْر سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ▲ قَرْنٍ : سینگ ، عورت کے گیسو اور بالوں کا بٹا ہوا حصہ (پٹی) ۔ زمانہ ، ایک زمانے کے آدمی ، قوم کا سردار ، قرن الشمس ، آفتاب کا کنارہ ، عمر ، سن ، "هو على قرني" وہ میرا ہم عمر ہے ۔ دس ، بیس ، تیس ، چالیس ، پچاس ، ساٹھ ، ستر ، اسی ، ایک سو یا ایک سو بیس سال کو بھی قرن کہتے ہیں ۔ سو سال کو قرن کہنا زیادہ صحیح ہے ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لڑکے کو دعا دی کہ "تیری عمر ایک قرن ہو" چنانچہ اس کی عمر سو سال کی ہوئی (مجمع البحار) قرنٌ کی جمع قرونٌ ہے
(لغات القرآن)

آیات میں وہ قوم مراد ہے جو ایک زمانے میں ہو

معلومات مزید ★ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ امرنا کے بعد یہ عبارت مقدر ماننی پڑے گی۔ "امرنا مترفيها بالطاعة على لسان الرسول" یعنی ہم ان کو ان کے رسول کے ذریعہ اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ نافرمانی کرتے ہیں اور پھر ان کا وہی انجام ہوتا ہے جو ہر نافرمان کے مقدر میں ازل سے لکھا جاچکا ہے ۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر سے یہی مفہوم روایت کیا ہے (ض) قانون قدرت کا عملی ثبوت ان نافرمان قوموں کے حالات سے ملتا ہے کہ جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آئیں اور انھیں کس طرح ان کے اعمال بد کی پاداش میں ہلاک ہونا پڑا ★ جو عاجلہ (ح) دنیا اور اس کے فوائد ہی چاہتا ہے تو اس کو جلد یہیں بدلا مل جاتا ہے مگر ایسا نہیں کہ وہ جو چاہتا ہے بلکہ قادر مطلق کو جتنا دینا منظور ہوتا ہے اور یہ بھی ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ حق سبحانہ تعالی جس کو چاہتا ہے اسے ہی عطا فرماتا ہے
(س م ح ش)

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ انظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝

اور جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کرے گا درآں حالیکہ وہ مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہو رہے گی * ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں اُن میں سے بھی اور اِن میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں * دیکھو! ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی فضیلت کے اعتبار سے بھی * (۱۷/ ۱۹ تا ۲۱ * ت: م)

۱۹۔ جو آخرت کی سرخروئی کے لئے ہر عمل کرتا ہو اور اوامر کی پیروی اور منہیات سے رک کر اس نے آخرت کو سنوارنے کے لئے پوری کوشش صرف کی ہو اور صرف خواہشات اور باتیں بنانے اور آرزوؤں کے ذریعے قرب کا متمنی نہیں ہوتا۔ اعمال کی قبولیت کا انحصار صرف اخلاص اور نیک نیتی پر ہے * اور اس کا دل ایمان سے روشن بھی ہو۔ اس میں شرک و نفاق کی ذرہ بھر ملاوٹ نہ ہو کیونکہ ایمان پر ہی اعمال کی مقبولیت کا مدار ہے۔ ان تینوں شرطوں کے حامل لوگ ہی وہ ہیں جن کی ساری کوشش قبول فرمائی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر عمل پر انہیں جزا ملے گی کیونکہ اللہ کے شکر سے مراد طاعت پر ثواب عطا کرنا ہے (تفسیر مظہری۔ ت)

۲۰۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم طالب دنیا اور طالب آخرت دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے آپ کے رب کی بخششوں سے اس چیز میں اضافہ کرتے رہتے ہیں جس میں وہ ہیں۔ آپ کا رب ہی ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کو سعادت اور شقاوت میں سے وہ عطا کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کے ارادہ کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اس لئے فرمایا کہ آپ کے رب کی عطا کو نہ کوئی روکنے والا ہے اور نہ کوئی رد کرنے والا۔ قتادہ کے نزدیک محظور کا معنی منقوص (کم کیا ہوا) ہے اور حسن وغیرہ نے اس کا معنی ممنوع کیا ہے (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

اور دیکھئے ہم نے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ یعنی بعض کو دنیوی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے اور بعض ان ہی مالی لحاظ سے نہایت کمزور ہیں بعض ان میں شریف اور بعض ان ہی رذیل کمینے ہیں بعض ان ہی مالک ہیں اور بعض مملوک بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے کہ بعض کے درجات و مراتب دوسروں سے افضل ہیں تو ان کے حالات خود بخود ایک دوسرے کی فضیلت کے شاہد ہیں تو حیات جو فرمایا اور آخرت اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ دنیا سے بہت بڑی درجات کے لحاظ سے اس کا منصوب ہونا علی التمیز ہے یہ درجۃ کی جمع ہے بمعنی مرتبہ و طبقہ اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑا ہے وہ اس لئے کہ آخرت کا یہ تفاوت بہشت اور بلند درجات کی وجہ سے ہے اس کے ہر درجہ کا فاصلہ آسمانوں اور زمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے ✱ تاویلات مجددیہ میں ہے: دنیوی ساز و سامان اور ان کے حصول مرادات کے لحاظ سے ہم نے اہل دنیا کو بعض بعض پر فضیلت بخشی ہے تاکہ ثابت ہو کہ ہماری مہربانیاں ان کے مراتب و درجات کا فرق ہے ✱ اہل آخرت اہل دنیا سے درجات اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں اس لئے کہ درجات آخرویہ کے مراتب اور آخرت والوں کے فضائل باقی اور لا متناہی ہیں اور دنیا کی نعمتیں اور اہل دنیا کے فضائل متناہی اور فانی ہیں (روح البیان۔ت)

لغوی اشارے ✱ سَعٰی: اس نے کوشش کی، وہ دوڑا، اس نے کمایا۔ سَعْیٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ▲ نُمِدُّ: جمع متکلم مضارع امداد مصدر (افعال) ہم دیتے ہیں (سیوطی جلی) ہم مدد دیتے ہیں، ہم سرت کھول دیتے ہیں ▲ عطاءً: عطاء، بخشش، عطیہ، دین، انعام صلہ، مفردات میں ہے کہ "جو بخشش کی جائے اس کا نام عطاء ہے اور جمع اَعْطِیَۃٌ اور اَعْطَیَاتٌ ہے" اور امام راغب لکھتے ہیں کہ عَطِیَّۃٌ اور عطاءٌ کا استعمال صلہ کے معنی میں مخصوص ہوتا ہے اور ارشاد ہے ھٰذَا عَطَاؤُنَا (یہ ہے ہمارا انعام) اور ابوبکر عزیزی لکھتے ہیں عَطَاءً حِسَابًا کے معنی وہ عطا جو کافی ہو۔ جو بولا جاتا ہے اعطانی ما احسبنی (یعنی اس نے مجھے اتنا دیا کہ جو مجھے کافی ہوا) بعض نے کہا اس کے اصل معنی ہیں ان تعطیہ حتی یقول حسبی یعنی تم کسی کو اتنا دو کہ وہ کہنے لگے بس بس ▲ محظورًا: اسم مفعول واحد مذکر ممنوع، روکی گئی، بند کر دی گئی ▲ دَرَجَۃً: درجہ، مرتبہ، بلندی کے اعتبار سے جو مرتبہ ہوتا ہے اس کو درجہ بولتے ہیں۔ جمع درجٰتٌ ▲ تَفْضِیْلًا: بزرگی دینا، فضیلت دینا، بروزن تفعیل مصدر ہے۔ درمیانی حالت سے زیادہ ہونے کا نام "فضل" ہے تفضیل اسی فضل سے مشتق ہے فضل کی دو قسمیں ہیں ایک محمود جیسے علم اور حلم کی زیادتی دوسرا مذموم

جیسے ضرورت سے زیادہ غصہ کرنا مفضل کا لفظ زیادہ تر محمود کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مفضول کا مذموم کے لئے
جب ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت کہے تو مفضل کا لفظ تو مفضل کی تین قسمیں ٹھہرتا ہے
ایک مفضل جنسی جیسے جنس حیوان کی فضیلت جنس انسان پر اور دوسرے مفضل نوعی جیسے انسان
کی فضیلت دیگر حیوانات پر۔ تیسرے مفضل ذاتی جیسے ایک انسان کی فضیلت دوسرے انسان پر
ان کی دونوں فضیلتیں جو بیان ہیں جو اجناس و انواع کے جوہری و دلعیت کی گئی ہیں اسلئے جو
ان فضیلتوں سے محروم ہے وہ کسی طرح بھی ان فضیلتوں کو حاصل کرکے اپنی کمی پوری نہیں
کرسکتا جیسے گھوڑے اور گدھے کے لئے کسی طرح یہ ممکن نہیں کہ وہ اس فضیلت کو حاصل کرسکے
جو انسان کو حاصل ہے۔ تیسری قسم کی فضیلت کبھی عرضی بھی ہوتی ہے اس صورت میں اس
کے حصول کی راہ نکل سکتی ہے (لغات القرآن)

منقولات مزید ✡ علامہ اسماعیل حقی نے احادیث کے حوالے کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ اہل علم کے نزدیک
"بہشتی لوگ" بہت بڑے عالی مراتب ہیں △ اولوالالباب سے مراد علماء کرام ہیں۔ اولوالالباب حدیث شریف
میں واقع ہوا ہے △ عالم دین کی وہی فضیلت ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے △ حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے "والذین اوتوا العلم درجات" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عام مومن
پر عالم دین کے سات سو درجے بلند ہوں گے △ بہشت کے بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف اہل ہموم
کو نصیب ہوں گے (اصحاب ہموم سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالب خیر اور حلال رزق کے متلاشی رہتے
ہیں) △ بہشت میں بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف ان تین قسموں کے لوگوں کو نصیب ہوں گے ۱۔ عادل
۲۔ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے والا۔ ۳۔ صاحب عیال صبر کرنے والا۔ (ف:
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا۔ صاحب عیال صبر کرنے والا کون ہے۔ فرمایا: جو اپنے عیال پر خرچ
کرکے ان پر احسان نہ جتلائے ● علم حاصل کرو اس لئے کہ قیامت میں سب سے پہلے انبیاء
علیہم السلام اٹھائے جائیں گے پھر علماء پھر شہداء اس کے بعد تمام مخلوق، ہر ایک کو اپنے
درجات پر مراتب و فضائل نصیب ہوں گے۔ (کذا فی بحر العلوم) △ (ح) اہل علم فرماتے ہیں کہ دین
و تقویٰ سے دنیا فوت نہیں ہوتی اور زیادہ دنیا بھی خدا کے ہاں کوئی زیادہ عزت بھی حاصل نہیں ہوتی △
بہت سے احمق و جاہل مالدار اور دانا خوار اور بہت سے کفار محتاج اور اہل ایمان اہل ثروت ہیں
اور کہیں بالعکس۔ باعث فضیلت آخرت کے درجات ہیں انہیں کی زیادہ رغبت کرنا چاہیئے وہیں
کی فضیلت حقیقی فضیلت ہے

(س م ح ش)

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى
رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

اے سننے والے! اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا جاتا بیکس ★ اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا ★ اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا ★ (۱۷/۲۲ تا ۲۴ ★ ت:ک)

۲۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہ بناؤ ورنہ شرک کے اس جرم عظیم کی پاداش میں تم ذلیل اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے کیونکہ شرک کے ارتکاب کی صورت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کرے گا بلکہ تمہیں اسی کے سپرد کر دے گا جس کی تم عبادت کرو گے اور یہ معبود (باطل) تمہارے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوتا۔ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فاقہ کا شکار ہو گیا اور اس نے اس کو دور کرنے کے لئے لوگوں سے امید وابستہ کرلی تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جس نے اسے رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کرلی تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے خوش حالی سے نواز دیتا ہے (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

۲۳۔ اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دیا ہے کہ نہ عبادت کرو بجز اللہ تعالیٰ کے کیونکہ عبادت کا معنی غایت تعظیم ہے اور اس کا مستحق صرف وہی ہوتا جو غایت عظمت اور نہایت انعام والا ہوتا ہے۔ یہی آخرت کی تفصیل کی مانند ہے ★ والدین وجود و آرام کا سبب ظاہری ہیں اس لئے سبب حقیقی کی عبادت کے بعد سبب ظاہری کی تعظیم کا حکم فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ اف کا کلمہ اکتاہٹ پر دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ

اسم فعل ہے جس کا معنی تنگدل ہوتا ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں اف اور تف اصل میں انگلیوں کے
میل کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے اف ناخن کے تراشے اور اس کے میل کو کہتے ہیں یا کانوں کے میل اور
اس لکڑی یا چھلکے کو کہتے ہیں جو زمین سے اٹھا لیا جائے یا اف کا معنی قلت ہے۔ یعنی والدین کو
ایسا کلمہ بھی نہ کہو جو ادنیٰ سی کراہت پر دلالت کرتا ہو۔ اس ارشاد سے تمام اذیتیں بطریق اولیٰ
حرام ہو گئیں (یعنی جب اف حرام ہے تو دوسری تکالیف بدرجہ اولیٰ حرام ہو گئیں)۔ اپنی
ناپسندیدہ اور اپنی خواہش کے خلاف ہر بات پر انہیں نہ جھڑکو اور نرمی سے دھیمے اور میٹھے لہجے میں
ان سے بات کرو۔ ابن مسیب کہتے ہیں ان سے ایسے بات کرو جیسے مجرم انسان ایک کرخت
حاکم کے سامنے لجاجت سے بات کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں جب وہ دونوں یا ایک بڑھاپے
کو پہنچ جائیں تو ان سے نفرت نہ کرو اور ان کا بول و براز صاف کرتے وقت اف کا کلمہ
بھی نہ کہو جیسے صغرسنی کے زمانہ میں وہ تجھ سے نفرت نہیں کرتے تھے (بحوالہ تفسیر مظہری۔ ت)
۲۴۔ بہ نرمی و تواضع پیش آؤ اور ان کے ساتھ ہر وقت ہی شفقت و محبت کا برتاؤ کرو کہ انہوں
نے تیری مجبوری کے وقت تجھے محبت سے پرورش کیا تھا اور جو چیز انہیں درکار ہو وہ ان پر خرچ کرنے
میں دریغ نہ کرو ✱ دنیا میں بہتر سلوک اور خدمت میں کتنا ہی مبالغہ کیا جائے لیکن والدین کے احسان
کا حق ادا نہیں ہوتا اس لئے بندے کو چاہیئے کہ بارگاہ الٰہی میں ان پر فضل و رحمت فرمانے کی دعا کرے
اور عرض کرے کہ یارب میری خدمتیں ان کے احسان کی جزا نہیں ہو سکتیں تو ان پر کرم کر کہ ان
کے احسان کا بدلہ ✱ حدیث شریف میں ہے کہ والدین کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کی ناراضی
میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ والدین کا فرمانبردار جہنمی نہ ہوگا
اور ان کا نافرمان کچھ بھی عمل کرے گرفتار عذاب ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے سید عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا والدین کی نافرمانی سے بچو اس لئے کہ جنت کی خوشبو ہزار برس
کی راہ تک آتی ہے اور نافرمان وہ خوشبو نہ پائے گا نہ قاطع رحم، نہ بوڑھا زناکار نہ
تکبر سے اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ (بحوالہ [illegible] بحاشیہ کنزالایمان)

لغوی اشارے ✱ تَقْعُدَ: تو بیٹھ رہے، تو بیٹھ رہے گا (نصر) قُعُوْدٌ سے جس کے معنی بیٹھے
رہنے اور کھڑے سے بیٹھنے کے ہیں، مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲ مَذْمُوْمًا: اسم مفعول
مفرد منصوب، مذمت کیا ہوا، عیب دار (محلی)، ذَمٌّ اور ذَامٌ (اسم) بمعنی عیب
اور (مصدر) بمعنی مذمت، ذَامَ یَذِیْمُ ذَیْمًا اور ذَامَ یَذُمُّ ذَامًا دونوں کے معنی ایک
ہیں استعمال دونوں طرح ہے (اخفش وقاموس) ▲ مَخْذُوْلًا: اسم مفعول واحد مذکر

مخذول: خَذَلَ اور خذلان مصدر ہے، بے مدد چھوڑا ہوا۔ خذل اور خذلان لازم بھی ہے یعنی بے مدد ہونا، مددگاروں سے بچھڑ جانا۔ اسی لئے خاذل اور خذول بے مدد اور ہزیمت خوردہ شخص کو کہتے ہیں اور متعدی بھی ہے خذلہ اس کو بے مدد چھوڑ دیا، خذل عنہ اس کو اس کو بے مدد چھوڑ کر الگ ہو گیا (لازم) قاموس۔ مخذول فعل متعدی سے اسم مفعول بنایا گیا ہے یعنی ضرورت مدد کے وقت بے مدد چھوڑا ہوا ▲ اُف: یوں۔ اصل میں اف ہر قسم کے میل کچیل (جیسے ناخن کا تراشہ وغیرہ) کو کہتے ہیں اور اسی اف سے کسی چیز کے متعلق تنگی اور نفرت کے اظہار کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں اصمعی کا بیان ہے اف کان کا میل ہے تف ناخن کا۔ کسی چیز سے تنفر ظاہر کرتے وقت اف کہا جاتا ہے خیال ہے اسی معنی میں یہ اس کثرت سے بولا گیا کہ ہر اذیت رساں چیز کے بارے میں اہل عرب اس کا استعمال کرنے لگے۔ ثعلب، ابن الاعرابی سے راوی ہیں کہ اُفُفْ (جو اُفٌّ کی اصل ہے) کے معنی ہیں گھٹنے اور تنگ دل ہونے کے ہیں۔ قتیبی کا بیان ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص پر خاک وغیرہ آ پڑتی ہے تو وہ اس کو پھونک مار کر صاف کرتا ہے اس پھونک مارنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ یہی اف ہے پھر لوگوں نے اس کے معنی میں وسعت پیدا کی اور ہر قسم کی تکلیف کے پہنچنے پر اس کو بولنے لگے۔ زجاج نے اس کے معنی بدبو کے بتائے ہیں۔ ابو عمرو بن العلاء کا قول ہے کہ اف ناخن کا میل ہے اور تف اس کا تراشہ۔ بہرحال یہ یا تو اسم فعل ہے یا اسم صوت جو تنگدلی اور گرانی کو بتلاتا ہے (فتح القدیر) (لغات القرآن)

معنویات مزید ✱ دار آخرت کے لئے سعی یہ ہے کہ منعم کا شکر کرے اور اپنے محسن کے ساتھ ادب اور سلوک سے پیش آئے اور منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اسی نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اسی نے بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور پھر اس جہان میں بھی اسی سے امید ہے ● اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے وجود کا سبب مجازی اور محسن ماں باپ ہیں۔ اسی لئے دوسرا حکم ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے سے متعلق ہے۔ احسان کا لفظ وسیع معنی کا حامل ہے (ع) اس میں ہر اچھا سلوک اور خدمت شامل ہے۔ نہ انہیں اف تک کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا۔ مخفی مبادا کہ ماں باپ کی ان باتوں میں فرمانبرداری نہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ لازم آتا ہے۔ ماں باپ سے اللہ کا حق مقدم ہے۔ ماں باپ کی فرمانبرداری میں ظاہرداری نہیں اخلاص ہونا چاہئے

(س م ح ش)

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ
غَفُورًا ۝ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ
الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت مند ہو (اس پر
بھی کوئی فروگذاشت ہو گئی ہو تو) وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ✶ اور اہل
قرابت اور غریب اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور مال کو بے ہودہ نہ اڑانا ✶
کیونکہ بے ہودہ اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا
ہے (۱۷/۲۵ تا ۲۷ ✶ ف:ح)

۲۵۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلد بازی میں اپنے والدین کے حق میں کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے
جسے وہ اپنے ذہن کے مطابق قابل مواخذہ نہیں سمجھتے حالانکہ ان کی نیت صاف ہوتی ہے اور بجز
خیر کے ان کا اور ارادہ نہیں ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان پر فضل و کرم فرماتا ہے۔ قتادہ "اوابین"
کا معنی اطاعت گزار، نمازی بتاتے ہیں۔ حضرت عباس رضی سے اس کے دو معانی منقول ہیں۔ ۱۔ تسبیح
کرنے والے۔ ۲۔ اطاعت گزار، اچھے اعمال بجا لانے والے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ
لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں جب کہ بعض حضرات اس سے وہ لوگ
مراد لیتے ہیں جو چاشت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت سعیدؓ بن جبیر کے نزدیک توبہ کرنے والے
جو گناہ ہو جانے پر توبہ کرنے والے مراد ہیں۔ چند اور اقوال ہیں۔ خیر کی طرف رجوع کرنے والے،
خلوت میں گناہوں کو یاد کر کے استغفار کرنے والے۔ قتادہ سے توبہ کرنے والا۔ نافرمانی سے اطاعت کی
طرف اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اس کی محبوب چیزوں کی طرف رجوع کرنے والا
اواب کا لفظ "اوب" سے مشتق ہے جس کا معنی رجوع کرنا ہے (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

۲۶۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عطا کرو ان کا حق یعنی ان سے صلہ رحمی، حسن معاشرت
اور ان سے حسن سلوک کرو۔ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں ہر قریبی رشتہ دار جو بچہ ہو اور فقیر ہو
یا عورت ہو یا بالغ ہو اور فقیر ہو یا اپاہج مرد ہو یا اندھا نادار ہو ان تمام کا خرچ غنی مالدار پر
واجب ہے کیونکہ اس میں نفس کی تباہی ہے۔ یہی اصل میں نیکی اور صلہ رحمی ہے۔ امام بغوی رح

حضرت علی بن الحسینؓ نے روایت کیا ہے کہ ذوالقربیٰ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سدی سے اسی طرح نقل کیا ہے ★ اپنا مال معصیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ نہ کرو۔ مجاہد فرماتے ہیں اگر انسان اپنا تمام حق کے راستہ میں خرچ کر دے تو وہ تبذیر اور فضول خرچی نہیں ہے اور اگر باطل میں ایک مد بھی خرچ کرے تو فضول خرچی اور اسراف ہے۔ حضرت ابن مسعود سے تبذیر کا مفہوم پوچھا گیا تو فرمایا اپنے حق کے علاوہ میں مال خرچ کرنا۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں میں ابو اسحاق کے ساتھ کوفہ کی ایک گلی میں چل رہا تھا آپ ایک دیوار کے پاس آئے جو چونے اور پکی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی فرمایا عبداللہ بن مسعود نے کہا "انفاق المال فی غیر حقہ" کا یہی معنی ہے

(بحوالہ تفسیر مظہری۔ ت)

● قبل ازیں یہ بھی حکم ہے کہ "اور مسکین اور مسافر کا بھی حق ادا کرو" اور یہ مکہ میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی بمنزلہ زکوٰۃ کے فرض تھی پھر اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مسکین وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس مالیت نصاب سے کم ہو لیکن بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ ابن السبیل یعنی ہمیشہ راستہ طے کرنے والا اگرچہ اس کا گھر بھی کتنا ہی مالدار ہو لیکن سفر میں خالی ہاتھ ہو تو اسے بھی بقدر ضرورت خرچ دینا ضروری ہے اسے ابن السبیل بھی وہ سفر میں اپنے مال سے دور ہو اس لئے وہ تمہاری خدمت کا مستحق ہے اور غیر مستحقین پر مال خرچ نہ کرو اس لئے کہ مال کو بے جا خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے اور الاسراف یعنی مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اور یہ بھی شرعاً منع ہے

۲۷۔ بے شک فضول خرچ کرنے والے لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے نفوس کو تباہ کرنے میں شیاطین ان کے مددگار ہیں بلکہ کفران نعمت وجرم وخطا کے ارتکاب میں شیاطین ان کے بہترین معاون ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکر گزار ہے کیوں کہ نہ اس کے اوامر کو مانتا ہے نہ نواہی کو ★ قریش کے حصول شہرت اور نامداری کی غرض سے بہت سا مال خرچ کرتے رہا کرتے اور فضول اونٹ ذبح کرکے لوگوں کو مفت دیتے اور اسی طرح دیگر کھیل تماشے میں پانی کی طرح پیسہ بہاتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ پہاڑ برابر بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو وہ فضول خرچی نہیں ہاں ایک دانہ بے جا اور بے ادبی پر خرچ کرنے کو اسراف کہا جاتا ہے"

(بحوالہ روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ★ اَوّابِیْنَ: بہت رجوع کرنے والے۔ اَوّاب کی جمع۔ سعید بن منصور، ہناد ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ضحاک سے آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اَوّابِیْن وہ ہیں جو گناہ سے

توبہ کی طرف اور برائیوں سے اچھائیوں کی طرف رجوع کریں۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضؓ سے راوی ہیں کہ اطاعت گزار اور شکر گزار مراد ہیں۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے شعب الایمان میں آپ سے اس کی تفسیر توابین نقل کی ہے جس کے معنی کثرت سے توبہ و استغفار کرنے والے ▲ تُبَذِّرْ : تو بیجا خرچ کرے۔ تبذیر سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر بیان نہی کا صیغہ ہے ▲ تَبْذِیْرًا : بے جا خرچ کرنا۔ تبذیر کے معنی تفریق اور پراگندہ کرنے کے ہیں، اصل میں بذر بمعنی زمین میں بیج ڈالنے کے ہیں اور زمین میں بیج پھینکنے کے ہیں اور چونکہ بیج کا زمین میں ڈالنا اس شخص کی نظروں میں جو مآل کار سے واقف نہ ہو بظاہر ضائع ہے اس لئے بطور استعارہ ہر اس شخص سے متعلق جو انجام کو سوچے بغیر اپنے مال کو فضول ضائع کرنے لگے تبذیر کا استعمال ہونے لگا ▲
(لغات القرآن)

اِخْوَانَ : بھائی۔ اَخٌ کی جمع۔

معلومات مزید ✶ اسراف، تبذیر اور فضول خرچی ان تمام کی قرآن مجید میں نہی آئی ہے اور روکا گیا ہے۔ فرمایا: فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ (الانعام) ایک اور جگہ فرمایا ہے: اے بنی آدم ہر ایک نماز کے وقت لباس وغیرہ سے اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچیاں نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (اعراف)

ہر طرح کی فضول خرچی اور اسراف ممنوع ہے۔ اہل علم صراحت کرتے ہیں کہ فقراء اور مساکین کو دیتے وقت بھی اتنا نہ دیں کہ ہاتھ سے جاتا نہ رہیں اور اب یہ نہ کریں کہ ہر چیز لٹا کر خود دوسروں کا دست نگر ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف حکم فرمایا کہ: "رشتہ داروں، غرباء اور مساکین ہر ایک کو ان کا حق پہنچاؤ اور اپنی دولت کو بے جا نہ اڑاؤ کیوں کہ بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔" اسراف صرف یہی نہیں کہ آدمی آمدنی سے زیادہ خرچ کرے بلکہ بے جا خرچ کرنا خواہ تھوڑا ہو یا بہت وہ بھی اسراف ہے۔ اسراف کے مذموم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسراف اس بات کی دلیل ہے کہ مسرف نعمت خدا کی قدر نہیں کرتا اور قدر نہ کرنا عین کفرانِ نعمت ہے اس کی اجازت ہے کہ حدود کے اندر رہ کر ضروری اور آسائش حیات کی جائز چیزوں پر خرچ کرے تاہم اندھا دھند بے اندازہ اور بے جا اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ فضول خرچی کے نتائج بہت برے اور افلاس و تنگدستی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس نے فضول خرچی کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی اور فضول خرچی کرنے والوں کو اخوان الشیاطین میں شمار کیا ہے اس میں خیر خواہی کا پہلو روشن ہے کہ لوگوں کو فضول خرچی سے روکا جائے تاکہ وہ اعتدال کے راستے سے منحرف ہو کر اپنے آپ کو تنگی و پریشانیوں میں مبتلا نہ کر لیں۔

(س م ح ش)

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ
قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا
كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ ع

اور اگر (بوجہ تنگدستی) تمہیں ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوش حالی) کے تلاش میں ہو جس کی تمہیں توقع ہے تو (اس انتظار میں) ان سے بات کرو تو بڑی نرمی سے کرو* اور نہ بناؤ اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے اور گردا اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے درماندہ* بے شک آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انہیں) دیکھنے والا ہے (۱۷/۲۸ تا ۳۰* ت: ض)

۲۸۔ جب تمہارے قرابت دار اور دیگر وہ لوگ جنہیں عطا کرنے کا ہم نے تمہیں حکم دیا ہے، تم سے کسی چیز کا سوال کریں لیکن تمہارے پاس (انہیں دینے کو) کچھ بھی نہ ہو اور افلاس کے سبب تمہیں ان سے منہ موڑنا پڑ جائے تو پھر ان سے نرم لہجے میں بات کرو یعنی ان سے وعدہ کرو کہ جب اللہ تعالیٰ رزق سے نوازے گا تو ہم ان شاء اللہ ضرور تمہیں دیں گے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ وغیرہ نے "فَقُلْ لَّهُمْ ..." کی تفسیر وعدہ سے کی ہے (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

• اگر تیرے پاس دینے کو کچھ نہیں اور تجھ کو اللہ سے امید ہے کہ آئے گا ایسی حالت میں ان سے توجہ پھیرے تو ان کو سخت بات نہ کہہ، بلکہ نرم بات کہہ کہ بھائی اللہ کا فضل ہے برکت ہے یا وہ دے گا تو دوں گا یا اللہ تجھے غنی کرے (تفسیر حقانی۔ ع)

۲۹۔ ابن مردویہ وغیرہ نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں ایک غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور آپ سے میری والدہ فلاں فلاں چیز کا سوال کر رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر اس غلام نے کہا۔ وہ کہہ رہی ہے آپ مجھے اپنی قمیص پہنا دیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ قمیص اسے عطا کر دی اور خود بغیر قمیص کے کاشانۂ اقدس میں تشریف فرما ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل کی۔ (منثور) ابی امامہ سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہو اسے خرچ کر دیا کرو۔ حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی حضور پھر تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی * اپنے ہاتھوں کو حق میں خرچ کرنے سے روک رکھے وہ شخص ہوتا ہے جس کے ہاتھ بندھے ہوتے ہیں اور کچھ عطا کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور نہ جو کچھ پاس ہو وہ خرچ کر دیا کرو کہ اپنے نفس، اپنے اہل وعیال اور جن کی کفالت واجب ہے ان کے حقوق ہی پورے نہ کر سکو * امام بیضاوی فرماتے ہیں یہ ارشادات بخیل کو بخل سے اور مبذر کو اسراف سے منع کرنے کے لئے ہیں دونوں اطراف سے منع کیا گیا ہے اور جو طریقہ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی سخاوت اور میانہ روی اس کا حکم دیا گیا ہے * اللہ تعالیٰ اور بندوں کے نزدیک خوش حالی کی حالت میں کنجوسی یا اسراف اور سوء تدبیر کے باعث تم ملامت کئے ہوئے ہوتے۔ قتادہ فرماتے ہیں محسور کا معنی نادم ہونا ہے اس کا تعلق دو کیفیتوں سے ہے یا یہ معنی ہوگا تم ملامت کئے ہوئے ہوتے یعنی خوش حالی کے باوجود جب تم سائلوں پر خرچ نہیں کرو گے تو سائل تمہیں ملامت کریں گے اور اگر تم خوش حالی کے باعث فضول خرچ کرو گے تو مفلس و کنگال ہو جاؤ گے اور دل گرفتہ ہو کر بیٹھ جاؤ گے (مظہری ؒ)

۳۰۔ رزق کی فراخی اور تنگی اللہ تعالیٰ کی مشیت حکمت پر مبنی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض کی مجال نہیں۔ جل اور اس کی حکمت بالغہ اور احکام ازلیہ کے سپرد ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خبیر و بصیر ہے یعنی ان کے علانیہ اور پوشیدہ امور کو جانتا ہے اور جو اسرار ان میں مخفی ہیں اسے ان کی تمام مصلحتیں معلوم ہیں * حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو اپنے ایمان کی اصلاح کا طریقہ نہیں آتا سوائے دولت مندی کے مثلاً اگر میں اسے تنگدست بنا دوں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر ڈالے گا ایسے ہی بعض بندے اپنی ایمانی اصلاح کو صرف تنگدستی سے مانتے ہیں اگر میں اسے دولت مند بنا دوں تو وہ اسے خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے ہیں کہ وہ اپنی ایمانی اصلاح تندرستی سے مانتے ہیں اگر میں اسے بیماری میں مبتلا کر دوں تو وہ اپنی ایمانی اصلاح کو خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے بیماری کو ایمانی اصلاح سمجھتے ہیں اگر میں انہیں تندرست کر دوں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر ڈالیں گے میں ہی اپنے بندوں کے امور کو جانتا ہوں مجھے ہی ان کے قلوب کا علم ہے میں ہی علیم و خبیر ہوں (رواہ انس ؓ کذا فی بحر العلوم) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو غنی اور بعض کو تنگدست رکھتا ہے اگر سب کے سب غنی ہوں تو سرکش ہو جائیں گے اگر وہ سب کے سب تنگدست ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا کر تباہ و برباد ہو جائیں (روح البیان ؒ)

لغوی اشارات ★ تُعْرِضَنَّ : تو منہ پھیر لے، تو تغافل کرے، اعراض سے مضارع با نونِ تاکید کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲ تَرْجُوْهَا : تو اس کی توقع رکھتا ہے، تو اس کی امید رکھتا ہے۔ اس میں ھا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے ▲ مَيْسُوْرًا : اسم مفعول واحد مذکر، یُسْرٌ سے آسان، نرم ▲ مَحْسُوْرًا : اسم مفعول واحد مذکر، حسرت زدہ، پرافسوس، ماندہ، حیران۔ حَسَرَهٗ حَسْرًا (نصر، ضرب۔ متعدی) اس کو برہنہ کر دیا، حَسَرَ الْبَعِيْرَ اونٹ کو تھکا دیا، حَسَرَ الْبَيْتَ گھر میں جھاڑو دی ▲ مَغْلُوْلَةً : اسم مفعول واحد مؤنث منصوب۔ بالکل بندھا ہوا، کامل بخیل ▲ عُنُقِكَ : تیری گردن عُنُق مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ۔ المصباح المنیر میں ہے: "عنق کے معنی گردن کے ہیں۔ یہ مذکر ہے مگر اہل حجاز اس کو مؤنث برتتے ہیں نیز حجاز کی زبان میں اس کا نون مضموم ہے اور بنو تمیم کی زبان میں ساکن۔ اس کی جمع اعناق ہے" بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ جو لوگ اس کے نون کو ضمہ دیتے ہیں وہ اس کو مؤنث کرتے ہیں اور جو اس کے نون کو ساکن رکھتے ہیں وہ اسے مذکر استعمال کرتے ہیں ▲ بَسْط : کھول دینا۔ کشادہ کرنا، پھیلانا۔ مصدر ہے بسط کے معنی میں پھیلانا اور کشادگی دونوں داخل ہیں چنانچہ کبھی تو دونوں چیزیں متصور ہوتی ہیں اور کبھی صرف ایک ہی مفہوم مراد ہوتا ہے یہاں سخاوت اور بخشش میں وسعت کے معنی متصور ہیں۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ★ آیت ۲۸۔ یہ آیت حضرات مہجع، بلال، صہیب، سالم و خباب۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی جو وقتاً فوقتاً سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے حوائج و ضروریات کے لئے سوال کرتے رہتے تھے اگر کسی وقت حضور کے پاس کچھ نہ ہوتا تو آپ حیاءً ان سے اعراض کرتے اور خاموش ہو جاتے باین انتظار کہ اللہ تعالیٰ کچھ بھیجے تو ان کو عطا فرمائیں (ک) ● میانہ روی کا حکم ہو رہا ہے خرچ کرنے کے سلسلہ میں اس قدر احتیاط و شدت کہ ہاتھوں کو کھینچ سکیڑ کر مٹھیوں کو بند کر کے دونوں ہاتھوں کو گردن میں حائل کر لے یا پھر خرچ کرنے کے حق میں اس قدر بے احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی کہ ہاتھوں کو بالکل کھول دے اور اتنی فراخی سے دے کر خود محتاج و قلاش ہو جائے اور دوسروں سے سوال کرتا پھرے لہٰذا اعتدال کا رویہ اپنایا جائے ● اللہ تعالیٰ کو ہر بات خواہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی ہو معلوم ہے اور وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کس کو کتنا عطا فرماتا ہے اور کس کے لئے تنگی مناسب ہے اسی لئے وہ اپنی مشیت و حکمت سے ہر ایک کو نوازتا ہے کسی کے رزق میں کشادگی اور کسی کے لئے تنگی دراصل وہ اپنے بندوں کے لئے بھلائی کے لئے فرماتا ہے وہ مالک حقیقی ہے ہر چیز اس کے قبضہ قدرت اور اختیار میں ہے (س م ح ش)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ
قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ
وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کر دیا کرو۔ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے ✶ اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے ✶ اور جس شخص (کی جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر اور جو کوئی ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے سو (اسے چاہیے کہ) وہ قتل کے بارے میں حد سے آگے نہ بڑھے بے شک وہ شخص قابل طرفداری کے ہے۔
(۱۷/۳۱ تا ۳۳ ✶ ت : م)

۳۱۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس قدر والد اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اسی طرح آباء کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وراثت میں اپنا مال دیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بچیوں کو وراثت میں شریک نہیں کرتے تھے بلکہ بعض تو اپنی بیٹیوں کو فقر و افلاس کے خوف سے اپنے ہاتھوں قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم سے منع کرتے ہوئے فرمایا "تم اپنی اولاد کو اس اندیشے کے پیش نظر قتل نہ کرو کہ تمہیں (ان کی کفالت کے باعث) فقر کا سامنا کرنا پڑے گا ان کے روزی رساں ہم ہیں" اس لئے رزق کی بہم رسانی کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مقدم رکھا۔ آخر آیت میں فرمایا "ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے" ایک قراءت میں خطأ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳۲۔ زنا کے مقدمات کے قریب بھی مت جاؤ چہ جائے کہ زنا۔ بے شک وہ فعل ہے کہ جس کا قبح ظاہر ہے اور حد سے زیادہ قبیح ہے اور یہ بھی قتل کی طرح ہے اس لئے کہ اس میں انسان کو ضائع کرنا ہے اور جس کی نسب ثابت نہ ہو وہ حکمی مردہ ہے اور برا راستہ ہے اس لئے کہ زنا، زانی کو جہنم کی طرف کھینچتا ہے اور نسل کو منقطع کرتا ہے اور فتنوں کو ابھارتا ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ زنا سے بچو اس لئے کہ زنا سے چھ نقصان دنیا میں تین اور آخرت
میں تین ہوتے ہیں۔ دنیوی نقصانات ۱۔ رزق میں کمی ۲۔ عمر میں کمی ۳۔ انسانی عزت کا چھین جانا
اخروی نقصانات میں ۱۔ غضب رب ۲۔ شدت حساب ۳۔ اور دوزخ میں داخل ہونا شامل ہیں (روح البیان)

۳۳۔ اور اس نفس کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مثلاً مسلمان اور ذمی مگر حق کے ساتھ یعنی
حد یا قصاص وغیرہ ✡ جو بغیر کسی سبب شرعی کے قتل کیا گیا تو اس کے مقتول کے وارث کو ہم نے
قصاص کے مطالبہ کا حق اور تسلط دیا ہے ✡ حمزہ اور کسائی نے "فلا یسرف" تا کے ساتھ پڑھا ہے
اور باقی قراء نے یا کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں خطاب قاتل کو ہے
اور ضمیر کا مرجع وہی ہے یعنی قاتل قتل میں اس طرح اسراف نہ کرے کہ ایسے شخص کو قتل کرے
جس کا قتل کرنا حق ہی نہ تھا۔ کیونکہ کوئی عقلمند کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کا وبال دنیا و آخرت میں
اس پر پڑے۔ ابن عباسؓ اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں خطاب اور ضمیر مقتول کے ولی کے لئے ہے یعنی
ولی قاتل کے سوا کسی کو قتل نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی قبیلہ کا فرد قتل
ہو جاتا تو وارثوں کا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا نہ ہوتا جب تک قاتل قبیلہ کا معزز ترین شخص قتل
نہ کر لیتے وہ صرف قاتل کے قتل پر راضی نہ ہوتے تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں جب قتل ایک ہو تو
ایک کے بدلے میں جماعت کو قتل نہ کرے جب کہ زمانہ جاہلیت میں اگر مقتول کوئی معزز شخص ہوتا
تو اس مقتول کے وارث کے صرف قاتل کے قتل پر راضی نہ ہوتے حتیٰ کہ اس کے ساتھ اس کے اقرباء
میں سے پوری جماعت کو قتل کرتے۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قاتل کا مثلہ نہ کرے ✡
مقتول کے قاتل پر قصاص واجب کرکے دنیا میں اس کی مدد کی جائے گی اور آخرت میں اس کی خطائیں
معاف کرکے اور اس کے قاتل پر آگ واجب کرکے اس کی مدد کی جائے گی۔ یا قصاص کے مطالبہ
میں قاتل کے خلاف اس کی مدد کی جائے گی۔ حاکم وقت پر وارث کی مدد کرنا واجب ہے (تفسیر مظہری پ۱۵)

لغوی اشارے ✡ قُتِلَ : واحد مذکر غائب ماضی معروف قَتْلٌ مصدر، اس نے مار ڈالا۔
قتلٌ کے حقیقی معنی ہیں (موت طبعی کے علاوہ کسی اور طریقے سے) روح کو جسم سے جدا کر دینا خواہ
ذبح کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقہ سے۔ مجازی معنی ہیں غالب آنا، ذلیل کرنا، مطیع بنانا،
کسی چیز کا علمی احاطہ کر لینا، اس کے تمام جزئیات کا معلوم ہو جانا (معجم القرآن) قرآن میں قتل
کا صرف حقیقی معنی استعمال ہوا ہے ▲ خَشْيَةَ : خوف، ڈر، خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس
میں ڈر ہو، یہ بات اکثر حالات میں جس کا ڈر ہو اس کے علم سے ہوتی ہے ▲ إِمْلَاقٍ : مفلس (ل ق)
تنگدست ہونا۔ بروزن افعال مصدر ہے ▲ خِطْأً : گناہ، چوک، خَطِئَ يَخْطَأُ کا مصدر ہے بمعنی گناہ۔

معلومات زریں ★ رزق کبھی تو عطاء جاری کو کہتے ہیں خواہ دنیوی ہو یا اخروی اور کبھی حصہ کو اور جو پیٹ میں پہنچ کر غذا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے۔ رزاق یعنی روزی دینے والا، رزق دینے والا رزق ہی رزق کثرت سے اور وسعت کے ساتھ دینے والا رزاق ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ رزاق وہ ذات ہے جو رزق کا متکفل اور ہر جاندار کے قیام کے لئے جس قدر قوت کی ضرورت ہے اس کی بہم پہنچانے والا ہے۔ معنی یہ کہ اس کا اطلاق بجز ذات باری کے غیر پر جائز نہیں۔ مبدأ و رب مخلوقات کو روزی کا دینے والا ذات یکتا اللہ تعالیٰ ہے ● زنا کی قباحت میں سلف سے خلف تک عقلاء کا اتفاق ہے (ج) اس میں یہ چند قباحتیں ہیں۔ ◻ انساب کا خلط ملط ہونا ◻ نکاح کے بغیر تعلقات کی وسعت کے باعث باہمی جدال و قتال کے امکانات ◻ عائلی زندگی کے فوائد اور برکات سے محرومی ◻ انسان اور بہائم کے درمیان فرق کا ختم ہونا وغیرہ۔ زنا تو بہت بری چیز اور گناہ کبیرہ ہے اس کے اسباب سے بھی روک دیا گیا ہے ● جاہلیت کی رسم تھی کہ مقتول کا وارث قاتل کے بجائے برادری کے سربراہ کو قتل کرتا تھا (الف) اور قتل میں تجاوز کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ ایک کے بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت والوں کی عادت تھی کہ اگر ان کا کوئی برگزیدہ یا محترم شخص قتل کیا جاتا تو اس کے عوض میں قاتل کے ساتھ ہی رشتہ داروں کی بہت بڑی جماعت کو قتل کر دیا جاتا اور تجاوز کا ایک معنی یہ ہے کہ دیت لے کر پھر قاتل کو قتل کیا جائے۔

(س م ح ش)

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا
بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ○ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس راہ سے جو سب سے بھلی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہوتا ہے ✶ اور ناپو تو پورا ناپو اور برابر ترازو سے تولو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ✶

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے (۱۷/۳۴ تا ۳۶ ✶ ت: ک)

۳۴۔ اس آیت شریفہ میں حکم ہوا ہے کہ یتیم کے مال میں نیک نیتی اور عمدہ طریقہ سے تصرف کرو جب کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: "اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہیئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھا لے" (۴/۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا: اے ابو ذر! میں تمہیں کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کا امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کا متولی بننا (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ) اس کے بعد فرمایا: "تم نے لوگوں کے ساتھ یعنی دینی اور دیگر معاملات میں جو بھی عہد و پیمان اور معاہدے کر رکھے ہیں انہیں پورا کرو کیوں کہ عہد و پیمان اور معاہدوں کے بارے میں باز پرس ہوگی

۳۵۔ جب ناپو تو پورا پورا ناپو، ناپ میں کمی نہ کرو اور تولو تو ایسے ترازو سے جو بالکل درست ہو حمزہ، کسائی اور حفص نے یہاں بھی اور سورہ شعراء میں قسطاس کو قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ۔ اس کا معنی میزان ہے مجاہد فرماتے ہیں یہ رومی لفظ ہے عربی میں منقول ہو کر آیا ہے قرآن میں اس کا استعمال جائز ہے کیوں کہ جب کوئی عجمی لفظ عربی کلام میں استعمال ہوتا ہے اور اس پر اعراب، تعریف و تنکیر کے احکام عربی قواعد کے مطابق جاری ہوتے ہیں تو وہ لفظ عربی بن جاتا ہے اکثر محققین کہتے ہیں کہ یہ عربی لفظ ہے اور القسط

سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی عدل ہے (تفسیر بغوی) المستقیم کا معنی سیدھا اور درست ہے * پورا پورا ماپنا دنیا میں بھی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ تاویل آل سے باب تفعیل ہے جس کا معنی لوٹنا ہے ● ناپ کر دیتے وقت ناپ کا پیمانہ پورا کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے تولا کرو (یعنی ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو) مجاہد نے کہا قسطاس (ترازو) رومی لفظ ہے عربی میں اس کا استعمال کر لیا گیا ہے۔ (قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا ہونا فصاحت کے خلاف نہیں جب کہ یہ الفاظ عرب میں مستعمل ہو چکے تھے) کیونکہ غیر عربی لفظ عربی میں شامل کر لیا اور عربی لفظ کے احکام اس پر جاری کر دیے گئے اعراب اور معرفہ و نکرہ کی خصوصیات عربی الفاظ کی طرح اس میں پیدا کر دی گئیں وہ عربی بن گیا غیر عربی نہ رہا (اگرچہ اصلاً وہ عجمی ہو) (تفسیر مظہری ت: گ ش و علاں)

۳۶۔ جس قول و فعل کا آپ کو علم نہیں اس کی تابعداری مت کیجئے۔ یہ ایسے ہے جیسے کسی راستے پر چل پڑے جس کے متعلق یقین نہ ہو کہ وہ مقصد تک پہنچائے گا یا نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل۔ ان میں ہر ایک عضو سے، انہیں ذوی العقول قرار دے کر انسان کے اعمال کا سوال ہوگا اور یہ اعضاء انسان پر گواہی دیں گے "کان عنہ" یہ ضمیر ان اعضاء میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ کی طرف راجع ہے یا اس کی طرف جو ان اعضاء والے سے عمل سرزد ہوا۔ ان میں ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا کہ جس انسان کے ساتھ تم تھے اس نے تم سے ساتھ کیا معاملہ کیا مثلاً کان سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا سنا اور آنکھ سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا دیکھا اور دل سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔ بحر العلوم میں لکھا ہے کہ آیت میں اعضاء سے متعلق ہر فعل کی اتباع کی نہی ہے جو ان اعضاء کے تعلقات سے مجہول ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے انسان! تم وہ باتیں نہ سنو جو تمہارے لئے سننا ناجائز ہے اور وہ نہ دیکھو جو تمہارے لئے دیکھنا ناجائز ہے اور اس کا ارادہ نہ کرو جس کے متعلق محض ارادہ کرنا ناجائز ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان میں ہر ایک سے علیحدہ سوال کر کے ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا دے گا * جہاں تک زبان کا معاملہ ہے وہ سمع پر موقوف ہے اس لئے کہ جب تک کان میں بات نہ جائے زبان اسے معلوم کر کے نہیں بول سکتی اور قیامت میں زبان کے جتنے اعمال ہوں گے ان کے اسباب کان سے ہی ہوں گے۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے قلبی ارادوں پر بھی گرفت ہوگی اس کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ان قلبی ارادوں پر گرفت ہوگی جو اس کے اپنے اختیار سے ہوں مثلاً قلب کے اعمال خبیثہ، حب دنیا اور ریا و عجب و حسد و نفاق وغیرہا، انسان کے اپنے اختیار سے ہوتے ہیں اس لئے ان پر گرفت ہوگی بخلاف

ان ارادوں کے جو اس کے اختیار میں نہیں ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرمائی ہیں جو ان کے دلوں میں بطور وسوسے وغیرہ واقع ہوتی ہیں۔ (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ✱ اَوْفُوْا : تم پورا کرو۔ اِیفَاءٌ سے، امر کا صیغہ مذکر حاضر ▲ عھد : عہد قول، قرار، پیمان، معاہدہ، عھود جمع۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ عھد اللہ۔ یعنی خدائی عہد وپیمان کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اس بات کو ہماری عقلوں میں سمجھا دیتا ہے، اور کبھی یہ شکل ہوتی ہے کہ اس کے پیغمبر کتاب وسنت کے ذریعہ اس بات کا ہم کو حکم دیتے ہیں اور کبھی خود اپنے التزام کی بنا پر ایک شے جو اصل شرع کے اعتبار سے پہلے ہم پر لازم نہ تھی اب لازم ہو جاتی ہے جیسے کہ نذر وغیرہ ▲ اَلْکَیْلَ : مصدر مرفوع، پیمانے سے غلہ وغیرہ کا ناپنا ▲ القسطاس : انصاف کی ترازو، یا بہ ترازو، مراد انصاف، قاف کا ضمہ بھی صحیح ہے اور سین کی جگہ صاد بھی صحیح ہے (قاموس) بعض کے نزدیک یہ لفظ رومی ہے ▲ تَاْوِیْلُ : تعبیر، تابانی، مکمل سمجھانا، بیان، حقیقت، ٹھیک پڑنا۔ بروزن تفعیل مصدر ہے اَوْلٌ سے مشتق ہے جس کے معنی اصل کی طرف لوٹنے کے ہیں کسی شے کو خواہ وہ شے علم ہو یا فعل اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانے کا نام تاویل ہے ▲ تَقْفُ : تو پیچھے چل، تو پیچھے پڑ (نصر) قَفْوٌ سے جس کے معنی اصل میں تو کسی کے پیچھے چلنے اور در پے ہونے کے ہیں اور اسی لئے اتباع اور پیروی کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ یہاں چونکہ لا نہی موجود ہے اس لئے فعل نہی ہے۔ (لغات القرآن)

معلوماتِ مزید ✱ مالِ یتیم سے بچنے کا حکم (ح) کہ جب تک یتیم اپنی جوانی نہ پہنچے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا لیکن اس طریق سے کہ جو بہتر ہے ہو اور عہد کو پورا کیا کرو عہد کے متعلق پرسش ہوگی

- صحیح ناپنے اور صحیح تولنے کا حکم کہ جو اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اس کے لئے برکتیں محفوظ اور مخصوص ہیں صحیح ناپنے اور صحیح تولنے والوں پر "مالک" کا اعتماد ہوتا ہے اور ان کے کاروبار میں بے حد ترقی ہوا کرتی ہے اور وہ ہر طرح مالا مال ہو جایا کرتے ہیں اور اس کے برخلاف کرنے والے اعتماد کھو دیتے ہیں تجارتی ترقی موقوف ہو جاتی ہے اور وہ نکبت وافلاس کے شکار ہو کر ہمیشہ پریشانیوں میں گھرے رہتے ہیں
- الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو خیالات دل سے گزرتے ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک ان کو زبان پر نہ لایا یا ان پر عمل نہ کیا جائے ✱ جس ارادے میں عمل کرنے کی ترجیح ہو وہ اگر نیکی سے ہو تو اس کا ثواب لکھا جاتا ہے (ر) ✱ دل کا ظلم بھی ہے اور عدل بھی ہے۔ ظلم یہ ہے کہ کینہ، حسد، عداوت، حبِ دنیا وغیرہ اور عدل یہ کہ اوصافِ ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اور اوصافِ حمیدہ سے مزین ہو جائے۔

"س م ح ش"

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ
طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ
مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا
آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ۝

اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چلا کرو کہ نہ تو زمین کو پھاڑ ہی ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ گا * ان میں سے ہر ایک بات تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے * یہ بیان اس حکمت میں سے ہے کہ جس کو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ ٹھہرانا ورنہ تو ملزم راندۂ درگاہ بنا کر جہنم میں ڈالدیا جائے گا ۔
(۱۷/۳۷ تا ۳۹ * ت: ع)

۳۷۔ اکڑ کر اور اتراتے ہوئے متکبرانہ چال سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ مغرور اور جابر لوگوں کی طرح اتراتے ہوئے نہ چلا کرو کہ نہ تو تم اپنی چال کے ساتھ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ تم اپنی اکڑ، فخر و غرور اور خود پسندی کے باعث بلندی میں پہاڑوں کا مقابلہ کر سکتے ہو بلکہ بعض اوقات اس قماش کے لوگوں کو برعکس حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے "پہلے لوگوں میں ایک شخص دو چادریں زیب تن کئے ہوئے اترا اترا کر چلا جا رہا تھا۔ اسی اثنا میں اسے زمین میں دھنسا دیا گیا وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی جائے گا" (فتح الباری کتاب اللباس) (صحیح مسلم، کتاب اللباس) اسی طرح قارون کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ خوب آراستہ ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ مسند احمد میں یہ حدیث شریف ہے کہ "جو شخص رضائے الٰہی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے۔ جو خود کو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگوں کے ہاں وہ بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتا ہے وہ اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے لیکن لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں" (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

۳۸۔ کوفیوں اور ابن عامر نے سیئۃ کو ہمزہ اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ کان کا اسم ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ ذالک کا اشارہ مذکورہ خصال کی طرف ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ سے شروع ہو کر یہاں تک جو بیان ہوئی ہیں سیئہ

یا ضمیر کل کی طرف راجع ہے یعنی وکل کی طرف مضاف کیا یعنی ان خصائل میں سے جو منہیات ہیں
وہ بری ہیں کیونکہ تمام اشیاء مذکورہ ماورائے منہیات پر مشتمل ہیں۔ اہل حجاز اور بصرہ نے سیئۃ
کو تانیث کے فتحہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی نصب کان کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے
اور اسم ضمیر ہے اور ذالک کا اشارہ الیہ وہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اس ارشاد میں
منع فرمایا ہے ولا تقتلوا اولادکم ... الی آخرہ۔* کیونکہ ان تمام آیات میں سیئات
کا ذکر ہے حسنات کا ذکر نہیں ہے اس ترکیب کے اعتبار سے عند ربک مکروھا
، سیئۃ سے بدل ہوتا یا معنی پر محمول ہونے کی بنا پر صفت ہے کیونکہ سیئا کے معنی
بری ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکروھا کان کی ضمیر سے حال ہو یا ظرف کی ضمیر سے حال ہو اس
بناء پر کہ وہ سیئہ کی صفت ہے مکروہ سے مراد ناپسندیدہ ہے جو پسندیدہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے (مظہری)
وسلم۔ ذٰلِکَ مذکورہ احکام یعنی اوصاف مذمومہ و محمودہ کی طرف اشارہ ہے مِمَّآ اَوْحٰٓی
اِلَیْکَ رَبُّکَ ان امور میں سے ہیں جو رب تعالیٰ نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجے ہیں یہ مِن
بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے اور من الحکمۃ سے حال ہے وہ حکمت ہے جسے علم شرائع اور معرفت
حق لذاتہ کہا جاتا ہے یہی حکمت نظریہ کا مقصود اعظم اور تمام سے اعلیٰ اور اس پر عمل کرنا فلاح
و بہبودی ہے اور یہی حکمت عملیہ ہے یا یہ ان احکام محکمہ میں سے ہے کہ اس کے بعد اس کا بدلنا
اور منسوخ ہونا ناممکن ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو ہے لیکن مراد آپ کی امت کے وہ افراد ہیں جن سے منہی کے خلاف کا صدور ممکن
ہے اس کا تکرار محض تنبیہ کے لئے ہے اس لئے توحید ان تمام امور کا مبداء و منتہی
ہے اس لئے کہ توحید ہی جملہ اعمال کا سرتاج ہے۔ جو توحید کا قائل نہیں اسے نہ علوم نفع دیتے
نہ حکمت۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے حکماء نے علوم و حکمت میں پرواز کی اور اپنے فنون کے بل
بوتے پر آسمانوں پر کمندیں ڈالیں لیکن بے سود جب کہ ان کے ہاں توحید کی دولت نہیں
تھی تو انہیں حکمتوں اور فلسفوں کی کتابیں کام نہ دے سکیں اور وہ دین حق سے بھٹکے اور گمراہ
ہو کر دائمی نعمتوں یعنی جنت سے محروم رہے۔ (ربط) شرک کی مذمت کے بعد اب اس کا
دنیوی نتیجہ بتایا کہ (اے مخاطب! شرک کرکے تم مذموم و مخذول ٹھہرے) اور یہاں پر اس
دنیوی انجام کا نتیجہ اخروی طور پر واضح فرمایا کہ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا یعنی اے
مخاطب! تم قیامت میں جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو تم اپنے نفس پر ملامت اور اس کی مذمت
کرتے ہو گے اور تمام لوگ اور فرشتے بھی تمہیں ملامت کریں گے مَدْحُوْرًا مطرود و مطروح

یعنی رحمت الٰہی سے دور پھینکے جاؤ گے کہ تمہیں ہر خیر و برکت سے محروم رکھا جاتا تھا۔ (ف) اللہ تعالیٰ
نے شرک کی مثال اس کلام سے دی ہے جیسے انسان اٹھا کر دور ہی پھینک دیتا ہے۔ (ف)
(روح البیان۔ ت)
توحید جملہ حسنات کی جڑ اور شرک جملہ سیئات کا اصل ہے۔

لغوی اشارے ✱ تَمْشِ: تو چلے، تو چلتا ہے، تو چلے گا۔ مَشْیٌ سے، مضارع کا صیغہ
واحد، مذکر حاضر۔ لا تمش (تو مت چل) صیغہ نہی ہے ▲ مَرَحًا: اسم فعل۔ باب سمع۔
اترا کر، اکڑ کر۔ مَرَحٌ: اترانے اور خود آرائی کرنے کو کہتے ہیں۔ مَرِحٌ صفت مشبہ، اترانے والا
مرح تعجب کا لفظ ہے ▲ تَخْرِقَ: تو پھاڑ دے گا، تو چلنے میں زمین کو قطع کرے گا (ضرب) خَرْقٌ
سے جس کے معنی بغیر سوچ سمجھے تباہ کرنے کے لئے کسی چیز کو قطع و برید کرنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ
واحد مذکر حاضر ▲ تَبْلُغَ: تو پہنچتا ہے، تو پہنچے گا۔ بُلُوْغٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲
سَیِّئَۃ: برائی، گناہ، فعل بد، حَسَنَۃ کی ضد۔ سَیِّئَۃ اصل میں سَیْوِأَۃ تھا واو کو ی سے
بدل کر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا ▲ مَکْرُوْهًا: اسم مفعول واحد مذکر منصوب۔ کُرْہٌ مادہ
ملامت زدہ ▲ مَدْحُوْرًا: اسم مفعول واحد مذکر منصوب۔ دَحْرٌ اور دُحُوْرٌ مصدر باب
نصر۔ رحمت سے دور کیا ہوا۔ دھتکارا ہوا۔ نکالا ہوا۔ دحور کا معنی ہے دور کرنا، ہنکانا (ل ق)

تفہیمات مزید ✱ تکبر نہ کر، تو نہ پاؤں اکڑا کر چل کیوں کہ تو عاجز ہے کہ نہ زمین کو پھاڑ ڈالے گا
نہ بلندی پر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا تھا ✱ آیت شریف میں جو فرمایا گیا ہے ان میں یعنی ان احکام
میں جو کچھ اسرار رکھے گئے ہیں خواہ وہ انسان کی روح اور اس کے اخلاق کی صفائی اور تدبیر منزل
اور انتظام عالم کی خوبی وابستہ ہے اور پھر ان کے بیان اور ترتیب میں جو کچھ لطف رکھا گیا ہے
اگر اس پر کوئی مطلع ہو جاتا ہے تو اس کو حکمت الٰہی کے جواہر اور الہام ربانی کے شاہ دانے اور موتی
کہتے ہیں۔ جو بنی اسرائیل کے احکام عشرہ سے بدرجہا بہتر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الواح پر
کندہ کر کے عطا کئے گئے تھے (ح) ان احکام کی ابتدا بھی توحید سے ہوئی تھی اور آخر میں بھی اسی بات
کی تاکید کے لئے اعادہ فرمایا ولا تجعل مع اللہ الٰہا آخر اور اس کے بعد اس بات سے بھی منع کیا
جو عرب کے مشرکین کرتے تھے ● یہ تمام مذکورہ کلام (ا ع) جن سے تجھ کو روکا گیا ہے تیرے رب
کے نزدیک قطعی ناپسندیدہ ہیں ● یہ ہدایات جنہیں بذریعہ وحی (ض) آپ کی طرف آپ کے رب
نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں اور (اے سننے والے!) نہ بنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور
معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جاتا ہے تا جہنم میں کہ تمہیں ملامت کی جائے گی اور دھکے دیے
(س م ح ش)
جاتے تھے۔